جلد 20 شمارہ 12 ماہ دسمبر 2018ء ربیع الثانی 1440ھ

وَاذکُرِ اسمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّل اِلَیہِ تَبتِیلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

﴾اس شمارے میں﴿

زمانہ حاضر کے تقاضے اور سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

علم تصوف کے طالب علم عام طور پر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ان کو اس قدر زیادہ پڑھنے اور کرنے کو بتایا جاتا ہے کہ جس کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ پیٹ بھرنے کے لیے دنیوی کام کریں یا آخرت سنوارنے کے لیے اللہ۔ اللہ۔ میں نے جب دائرہ تصوف میں قدم رکھا اور سلوک شروع کیا تو میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ حضرت مولانا کریم الدین صاحبؒ نے مجھے پانچ ہزار مرتبہ پاس انفاس اور اتنا ہی نفی اثبات کرنے کو بتایا۔ اس کے علاوہ تہجد' دوسرے نوافل اور درود شریف کا ورد علیحدہ تھا۔ میں رات بھر جاگتا تھا مگر اوراد پورے نہ ہو سکتے تھے تو مجبوراً دن میں پورا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو مرتبہ امتحان میں فیل ہوا۔ ملازمت کے دوران اس سے بھی زیادہ دشواری پیش آئی۔ بہر حال سلوک طے کرنے تک مجھ کو یہ تجربہ ہو گیا کہ خدا سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے، جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور اخلاق کا تزکیہ کرنے پر منحصر ہے۔ چنانچہ جب میں نے سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد ڈالی تو ذکر' فکر اور تزکیہ اخلاق کے لیے مجاہدے کے تمام طریقوں میں ایسی تبدیلیاں کر دیں جو زمانہ حاضر کے مزاج اور آج کل کے انگریزی تعلیم و تربیت یافتہ لوگوں کے لیے موزوں اور آسان ترین ہیں اور ہر شخص جو طالب راہ حق ہو، نہایت آسانی سے دنیا کے سارے کام کرتے ہوئے ان پر عمل کر کے فائز المرام ہو سکتا ہے۔ یہ باتیں میں ذرا وضاحت سے بیان کروں گا۔

ا...... پہلے سلسلوں میں اوراد و وظائف ہزاروں بار نہیں بلکہ لاکھوں بار پڑھنے کو بتائے جاتے تھے۔ چنانچہ بعض بزرگ سورہ اخلاص سوا لاکھ مرتبہ بیس یا چالیس دن میں ختم کرایا کرتے تھے۔ کم از کم ایک ہزار مرتبہ درود شریف روزانہ ہر نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ الحمد شریف'

گیارہ سومرتبہ یامغنی، گیارہ مرتبہ سورہ مزمل شریف، اکتالیس مرتبہ سورہ یاسین شریف اور اس کے علاوہ بے شمار نوافل۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ جو شخص اتنا پڑھے اور پھر کھانا نہ کھائے متواتر روزے رکھے اس کی صحت کس طرح بحال رہ سکتی تھی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ نعوذ باللہ یہ باتیں فضول تھیں مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ آج کل جب کہ حصول معاش کے لیے دن رات میں کم از کم بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے، پرانے زمانے کے اوراد و وظائف پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اس لیے میں نے صرف یہ طریقہ بتایا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی تم کوئی دماغی کام نہ کر رہے ہو اور خالی الذہن ہو ہر سانس سے اللہ اللہ کرتے رہو اور اللہ کی یاد سے غفلت نہ برتو۔ یہی طریقہ قرآن پاک میں بھی بتایا گیا ہے۔ دوسری چیز نفی اثبات کا ذکر ہے جس کے لیے میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ کسی حالت میں بھی پندرہ منٹ سے زیادہ نہ کیا جائے۔ اب آپ بتائیں کہ اس سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے اور اس سے اپنی محبت کے رشتے کو استوار کرنے کا اور کوئی آسان طریقہ ممکن ہے؟

۲...... پہلے زمانے کے بزرگ اپنے مریدوں کو نفس کشی کے لیے بھوکا رہنا، برسوں پیدل سفر کرنا، بھیک مانگنا، پاخانہ صاف کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔ آج کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو یہ کچھ بتایا جائے تو کون ہے جو کرنے کو تیار ہوگا۔ اس کے بجائے میں نے صرف یہ بتایا ہے کہ غصہ اور نفرت کو نفی کر دو اور اس کی جگہ عالمگیر محبت اور ہر کام میں حق پر عمل کو اپنے اوپر فرض کر لو۔

۳...... دوسرے سلسلوں میں انکسار پیدا کرنے کے لیے یہ بتایا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تمام مخلوق سے ذلیل و حقیر سمجھو۔ ظاہر ہے کہ اس سے انسان کی خودی اور خودداری بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اس کی وہ تمام امنگیں مر جاتی ہیں جو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ایک معاشرے اور قوم کو زندہ، باعزت، باغیرت اور متحرک بالعمل بنانے کے لیے قدرت کی طرف سے فطرتاً پیدا کی گئی ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں یہ تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ یہ سکھایا جاتا ہے کہ اپنی کسی چیز پر غرور نہ کرو

کیوں کہ اس سے آئندہ کے لیے طلب ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ تم نہ اپنے آپ کو ذلیل وحقیر سمجھو نہ کسی دوسرے کو، ہم سب خدا کی مصنوعات ہیں۔خدا کی کسی صنعت سے نفرت کرنا یا اس کو ذلیل سمجھنا خود خدا کی توہین ہے۔ہم دراصل یہ کہتے ہیں کہ تم اس قصہ میں ہی نہ پڑو کہ کون ذلیل ہے اور کون بزرگ و برتر ہے اور اگر تم کو ایسا کرنا ہی پڑے تو قرآن کی اس آیت کی کسوٹی پر پرکھو کہ "جو شخص جس قدر زیادہ متقی ہے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک شریف و بزرگ ہے۔"

۴.....دوسرے کئی سلسلوں میں پیروں کی اس قدر عزت کی جاتی ہے جو عبادت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔مریدوں سے نہ صرف زندہ پیروں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرائے جاتے ہیں۔ان کو مافوق الفطرت خیال کیا جاتا ہے۔ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ہم قرآن پاک اور احادیث وسنت کی روشنی میں اس بات کو شرک اکبر جانتے ہیں۔ تعمیر ملت میں بیسیوں آیتیں اس بات کے ثبوت میں میں نے تحریر کر دی ہیں جس کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہوئے توحید باری تعالیٰ کے عقیدے پر پورے استحکام سے ڈٹے رہیے۔تاہم میں آپ کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ جو لوگ قبر پرستی وغیرہ کرتے ہیں ان سے الجھنے یا بحث کرنے کی آپ کو ہرگز اجازت نہیں ہے۔ان کا دین ان کے لیے ہے اور تمہارا دین تمہارے لیے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا کہ یہ لوگ جن باتوں پر جھگڑتے ہیں قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون تھا۔دوسری بات یہ کہ جھگڑنے اور بحث کرنے سے سوائے وقت ضائع کرنے اور دلوں میں بدمزگی پیدا کرنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔بحث سے کوئی شخص بھی اپنا عقیدہ نہیں بدلا کرتا۔حتیٰ کہ کافر بھی باوجود عقلاً مان لینے کے بت پرستی ترک نہیں کرتے۔ہمارے سلسلہ میں پیر کی بابت صرف تین باتیں بتائی جاتی ہیں:

۱۔عقیدت ۲۔ادب ۳۔فرمانبرداری

عقیدت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے مرشد کو سچا، خدا رسیدہ اور رشد و ہدایت کا اہل سمجھتے ہو۔

ادب عقیدت کا ایک لازمی جزو اور انسانی شرافت کی ایک ضروری نشانی ہے۔ ''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب'' کا مقولہ غلط نہیں ہے۔ دنیاوی محفلوں میں بھی بے ادب انسان دوسرے لوگوں کے دل میں اپنے متعلق کوئی اچھی رائے پیدا نہیں کرسکتا تو بزرگوں کی مجلس میں وہ لوگوں کے دلوں میں اپنا کوئی اچھا مقام کیسے پیدا کرسکتا ہے۔ فرمانبرداری اس لیے ضروری ہے کہ جس راستہ پر تم چل رہے ہو تم اس سے قطعاً ناواقف ہو۔ لیکن تمہارا مرشد جو اس راستہ کو طے کرچکا ہے اس کے تمام پیچ و خم سے خوب واقف ہے۔ اگر تم اس کے کہنے کے مطابق اندھوں کی طرح عمل نہ کرو گے تو یقیناً کسی کھڈ میں گر کر تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ ہمارے حلقہ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن کو خدا نے نورِ بصیرت عطا فرمایا ہے وہ دیکھ سکتے ہیں۔

۵...... ہمارے سلسلہ میں رہبانیت اور دنیا سے نفرت و حقارت کی تعلیم مطلق نہیں دی جاتی کیوں کہ یہ قرآن پاک کی تعلیم اور حضور ﷺ کی سنت کے بالکل خلاف ہے بلکہ روپیہ کمانے اور دنیوی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ حاصل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن اس طرح غرور بالکل پیدا نہیں ہوسکتا اور یہ جو کچھ بھی کمایا اور پیدا کیا جاتا ہے وہ سب قوم' ملک اور خلق خدا کی خدمت کے لیے ہوتا ہے۔

٦...... دوسرے سلسلوں کی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلے میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب' عرفان اور القاء کا حصول ہے۔

۷...... ہمارے سلسلہ میں سستی اور بے کاری سے بچنے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مصروف رہو اور کچھ نہ کرسکو تو تعلیم میں ترقی کرو اور ایم اے تک امتحانات پاس کرتے چلے جاؤ۔ یا کوئی ٹیکنیکل کام اور ہنر سیکھو۔ چنانچہ اس وقت ہمارے بھائیوں میں کم از کم ڈیڑھ سو آدمی ایسے ہیں' جنھوں نے بی اے' ایم اے اور ایل ایل بی وغیرہ کے امتحانات پاس کیے ہیں اور آج ہزاروں روپیہ مہینہ کما رہے ہیں۔

اللّٰہ

۸...... ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے۔ ہمارے ہاں وہ دقیانوسی طریقہ ختم کر دیا گیا ہے کہ ایک شیخ لاتعداد خلیفہ بنا کر اپنے حلقہ کو وسیع کر لے اس طرح اس پیر کی جماعت لاتعداد ٹکڑیوں میں بٹ جاتی ہے اور چونکہ ان خلفاء کے ماحول' اخلاق' ذہنیت اور علمیت وغیرہ میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اس لیے شیخ سلسلہ کی حقیقی تعلیم بجنسہ کسی ٹکڑی میں بھی باقی نہیں رہتی اور ان ٹکڑیوں کا باہمی ربط ختم ہو کر جماعت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔

کوئی شخص خواہ کتنی اچھی جماعت بنائے اور وہ خواہ کتنا ہی عالم و فاضل اور خدا رسیدہ ہو ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ میری بھی صحت اب جواب دے رہی ہے۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کل حاضر ہونا پڑ جائے یا کچھ اور برس لگ جائیں۔ اس لیے میں آپ سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی رائے میں ہماری جماعت اور ہمارا حلقہ انسانی اصلاح کے لیے ایک مثالی حلقہ ہے اور معاشرے کی اصلاح میں کوئی خاص کردار ادا کر سکتا ہے تو آپ اب میری بجائے جماعت سے محبت کرنا اور جماعت کو زیادہ سے زیادہ عزیز رکھنا سیکھیں۔ اس کے لیے آپس میں بے انتہا محبت اور زیادہ سے زیادہ ایثار کی ضرورت ہوگی۔ اگر آپ نے ان دو باتوں پر عمل کیا تو ان شاء اللہ آپ کا حلقہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا اور عام مسلمانوں کے اخلاق کو سدھارنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دے گا۔

محبانِ عزیز! آپ کو معلوم ہے کہ میں گزشتہ ماہ نومبر سے ہائی بلڈ پریشر اور دیگر بے شمار عوارض کی وجہ سے مسلسل علیل چلا آ رہا ہوں اور اس طویل علالت کے باعث نقاہت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ذرا سا بھی پڑھنے' لکھنے یا بولنے چالنے سے دماغ چکرانے لگتا ہے اور سانس پھول جاتا ہے۔ لہٰذا آج کی صحبت میں مجھے آپ سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ خلوص و محبت کے ساتھ حلقہ کی تعلیم پر پوری پابندی سے عمل کرتے ہوئے پہلے کی نسبت اور زیادہ شوق اور جوش سے عمل کرو' عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کرو۔ دنیوی ترقی کے لیے نئی نئی راہیں

نکالو اور ان پر عمل کرو۔ خلق خدا کی خدمت کرو۔ سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔ کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں آن پڑیں مایوس اور اداس مت ہو۔ ہمت نہ ہارو' ہمیشہ خوش رہا کرو۔ دل میں اللہ کو بسائے رکھو اور ہاتھ پاؤں' آنکھوں' کانوں اور زبان کو خدمتِ خلق میں لگائے رکھو۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مر جاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کا کیا انعام ملے گا۔

اب میں آپ سے صرف ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ آج تک آپ کو جو کچھ بتایا جا چکا ہے وہ سب قرآن اور احادیث رسول کریم ﷺ سے ہے۔ میری اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ایمان کامل ہے تو آپ ان باتوں کو افسانہ یا کہانی نہ سمجھیں گے بلکہ ایک ٹھوس حقیقت جان کر ان پر عمل کریں گے بشرطیکہ آپ اپنی بہبودی اور بہتری کے دل سے طالب ہوں اور دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنی جھولیاں بھرنا چاہتے ہوں۔ اگر آپ ان پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی عمل نہ کریں تو پھر آپ سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو سکتا ہے!!!!

اب آخر میں ایک نہایت ضروری بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیماری کے پیشِ نظر اور حلقۂ توحیدیہ کے استحکام اور بہبود کے خیال سے ابھی سے اپنا ایک خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا ہے۔ صاحب موصوف جن کی تقرری کا اعلان اسی مجلس میں کیا جائے گا وہ روحانی مراتب اور اخلاقی بزرگی میں مجھ سے کسی طرح کم نہیں۔ اس لیے میں آپ سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو میری دی ہوئی تعلیم سے محبت ہے تو آپ سب کو میرے اس حکم کی تعمیل میں آج ہی کے جلسہ میں صاحب موصوف کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنا ہو گی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ نہ صرف میری زندگی میں بلکہ میرے مرنے کے بعد بھی پوری خوشی اور خلوص کے ساتھ حلقہ کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے میں موصوف کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمائیں گے۔

(اقتباس از چراغِ راہ)

نفس کشی یا اصلاح نفس

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اس میں دنیوی اور اُخروی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔اس میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ جب انسان اس دنیا سے واپس جائے گا تو صرف روح ہی واپس نہیں لوٹے گی بلکہ نفس بھی اس کے ساتھ جائے گا۔قرآن تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ قیامت کے دن تمام انسان اپنے مادّی جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔جب یہ حقیقت بتا دی گئی ہے کہ نفس اور جسم آخرت کی زندگی میں کام آنے والے ہیں تو انہیں مار ڈالنے اور اذیتیں دینے کی تعلیم کیونکر درست ہو سکتی ہے۔جن مذاہب نے کسی غلط فہمی کی بناء پر آخرت میں صرف روح کی زندگی کو تسلیم کیا انہوں نے نفس اور جسم کو نظر انداز کر دیا۔ان کے نزدیک نفس اور جسم کو جتنی زیادہ تکلیف دی جائے اتنی ہی زیادہ روحانی ترقی ملتی ہے۔ایسے مذاہب میں روحانیت کے متلاشی دنیا کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کا رُخ کرتے اور اپنے جسموں کو مسلسل فاقوں اور اذیتوں سے ناکارہ بنا دیتے ہیں۔وہ نفس کشی کی جاں گسل اور طویل ریاضتوں کے بعد روحانی طاقت کے بل بوتے پر چند شعبدے دکھانے پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں لیکن اللہ کی معرفت سے محروم رہتے ہیں۔رہبانیت کی راہ انسان نے خود اختراع کی ہے کیوں کہ یہ زندگی کے حقائق سے فرار کا راستہ ہے اور انسان کی فطرت کے بھی خلاف ہے۔اللہ کا کامل دین دنیا اور آخرت کی زندگی کے حقائق بیان کرتا ہے اور وہ راستہ دکھاتا ہے جس پر چلتے ہوئے انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔اسلام میں اس لیے رہبانیت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور طہارت،تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے مناسب تعلیم دی گئی ہے تا کہ انسان مکمل کامیابی سے ہم کنار ہو سکے۔قرآن کریم میں نفس کے بارے میں جو متعدد آیات نازل

ہوئی ہیں ان میں سے ہم یہاں صرف دو آیات نقل کرتے ہیں:

﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (الزخرف:۷۱)

''جنت میں ان پر سونے کی پرچوں اور پیالوں کا دور چلے گا اور وہاں ہوں گی وہ چیزیں ،جس کی نفس خواہش کریں گے اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔''

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ (الانبیاء:۱۰۲)

''اہل جنت جہنم کی آواز بھی تو نہیں سنیں گے اور وہ نفسوں کی تسکین اور لطف سامان میں ہمیشہ رہیں گے۔''

نفس کی اہمیت کے پیش نظر دین حق میں نفس کشی کی بجائے اصلاح نفس کی تعلیم دی گئی ہے تا کہ نفس کی قوت سے فائدہ اٹھایا جا سکے اگر چہ نفس کا رجحان دنیوی لذات کی طرف ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں تو یہ کارآمد بن سکتا ہے قرآن کریم میں نفس کی فطرت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿ وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (یوسف-۵۳)

''(یوسف علیہ السلام نے فرمایا) میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا کیوں کہ نفس برائی ہی سکھا تا ہے مگر یہ کہ میرا ربّ رحم کردے۔ بے شک میرا ربّ بخشنے والا مہربان ہے۔''

انسان تو اپنی عقل و حکمت سے خونخوار درندوں سے ان کی وحشت اور درندگی والی عادات چھڑوا کر اپنے ساتھ مانوس کر لیتا ہے یہاں تک کہ شیر اور ہاتھی جیسے جانور اس کی اطاعت کرتے اور اس کے اشارے پر مختلف کرتب کر کے دکھاتے ہیں۔اس طرح نفس کی درندگی بھی دور کی جا سکتی ہے۔اس سے مطلوبہ کام لیے جا سکتے ہیں۔نفس کی اصلاح اور تربیت کا پورا نظام ہے

اور یہ دین کا نہایت ہی اہم حصہ ہے۔اس سلسلے میں اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے مردانِ حق اور اہلِ دل حضرات کی صحبت کیمیاء کا اثر رکھتی ہے۔مومن جب اللہ کو اپنا مالک،معبود اور محبوب تسلیم کر لیتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی بجا آوری کا پابند ہو جاتا ہے۔نماز کی پابندی اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کے ذکر کی برکت سے اس کی روح بیدار ہو جاتی ہے اور اس کا قلب مطمئن ہونے لگتا ہے۔قلب کی کیفیات کا اثر نفس پر بھی پڑتا ہے اور اس میں بھی اپنے خالق کی اطاعت کا ذوق پرورش پانے لگتا ہے اللہ کا ذکر استقامت کے ساتھ جاری رکھا جائے تو نفس اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی گزشتہ شرارتوں اور سرکشی کی روش پر پچھتانے لگتا ہے اور اپنے آپ پر ملامت کرنے والی اس کیفیت میں اسے نفس لوامہ کہا جاتا ہے۔روح اور نفس کے ملاپ کے نتیجے میں ان دونوں کا اثر قبول بھی کرتا ہے وحی الٰہی کا نزول بھی انبیاء علیہم السلام کے قلب پر ہی ہوتا ہے۔اللہ والے فقیر اور اولیائے کرام اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں اور عقیدت مندوں کی اصلاح ان کے دلوں پر توجہ کرنے سے کرتے ہیں۔قرآن کریم میں دلوں کے ٹیڑھا اور بیمار ہو جانے کا بھی ذکر آیا ہے جب ایسا ہو جائے تو پھر نفس بالکل ہی بے لگام درندہ بن جاتا ہے کیوں کہ قلب کی طرف سے اللہ کی محبت کا کوئی پیغام اسے نہیں ملتا۔انسان جب اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو دل مردہ ہو جاتا ہے۔اس طرح روح کو اس کی غذا ملنی بند ہو جاتی ہے تو وہ بھی بیمار اور کمزور ہو کر مردہ کی مانند ہو جاتی ہے۔اگر نماز کی پابندی،ذکر پر مداومت،صالح اعمال اور تسلیم و رضا کی راہ پر مومن آگے بڑھتا چلا جائے تو قلب منور ہوتا چلا جاتا ہے۔اس کے زیرِ اثر نفس بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پوری طرح قبول کر لیتا ہے اور اپنی قوت کو نیکی کے کاموں میں صرف کرنے لگتا ہے۔جو نفس اس مقام پر پہنچ جائے اسے نفس مطمئنہ کا خطاب عطا ہوتا ہے اس حالت میں اللہ کی رحمت اسے قبول کر کے اپنی رضا میں داخل کر لیتی ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً O فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ O وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴾ (الفجر: ۲۷-۳۰)

"(نیک روح سے خطاب ہوگا) اے نفس مطمئنہ! اپنے ربّ کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

دیکھئے وہی نفس جو برائی کی ترغیب دینے والا تھا نیک رجال اور صالح اعمال کی بدولت بتدریج اصلاح پذیر ہوتا ہوا اللہ کی جنت میں داخل ہونے کے قابل بن گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم اس طرح ہے کہ "شیطان ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ اس پر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میں نے اسے مسلمان بنا لیا ہے"

ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ یہ حضور سید الانبیا ﷺ کا فرمان ہے اور یہ انسانیت کی معراج ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کر کے اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا لیا جائے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کو مار دیا ہے۔ بہت سے صوفیائے کرام کے تذکروں میں ملتا ہے کہ انہوں نے نفس کی بہت مذمت کی اور نفس کشی پر زور دیتے رہے اور اپنے نفس کی مخالفت میں بہت شدت کے ساتھ مجاہدے کیے۔ اس سے ان کی مراد نفس کو کلی طور پر مار دینا نہیں ہوتا اور نہ یہ مر سکتا ہے بلکہ اس سختی سے ان کا مقصود نفس کی سرکشی اور بغاوت کا مکمل خاتمہ کرنا ہوتا ہے تا کہ وہ اپنی خواہشات کا غلام بن کر جہنم کا ایندھن نہ بنے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو کر اس کے بندوں میں شامل ہو کر جنت کا مستحق بن جائے۔ جب نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اس کی خواہشات اور آرزوؤں کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی ساری قوت اللہ تعالیٰ کے فضل و رضا کی جستجو اور اس کی مخلوق کی خدمت کے لیے وقف ہو جاتی ہے، اس طرح یہ انسان

کا بہت اچھا دوست ثابت ہوتا ہے سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

الف ایہو نفس اساڈا بیلی جے نال اساڈے سدھا ھو
جو کوئی اس دی کرے تباہی اس نام اللہ دا لدھا ہو

یعنی اگر یہ نفس ہمارے ساتھ سیدھا ہو جائے اور مخالفت ترک کر کے اطاعت میں لگ جائے تو پھر یہ ہمارا مددگار بن جاتا ہے جو اپنے نفس کے شر کو تباہ کر دے صرف اسے ہی اللہ کا نام اور پیار ملتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک فرمان نفس کشی یا اصلاح نفس کے ضمن میں نہایت جامع و نافع ہے۔ مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر ۱۴۱ میں درج ہے کہ "جاننا چاہیے کہ نفس مطمئنہ ہونے کے باوجود اس کی صفات باقی رکھنے میں بڑے فائدے ہیں۔ اگر نفس کو بالکل اپنی صفات کے ظہور سے روکا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے کیوں کہ ترقی کا حاصل ہونا نفس کی مخالفت کے باعث ہے اگر نفس میں مخالفت نہ رہی تو ترقی کیسے ہوگی۔"

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بڑے بزرگ حضرت بایزید بسطامیؒ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے نفس کی مخالفت کرتے اور اس کی اصلاح کے لیے آپ نے بہت کٹھن ریاضتیں کیں اور اللہ کے مقربین میں شامل ہوئے۔ روحانی کیفیت اور مراقبے کے دوران جب آپ کی روح اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقامات کی طرف عروج کرتی تو راستے میں فرشتے ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے۔ ایک دن حضرت صاحب نے اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کی کہ میں نے اپنے نفس کو شدید مجاہدہ سے بالکل بے جان کر دیا ہے اس کی سرکشی ختم ہوگئی ہے اور اب یہ بے کار رہ گیا ہے اس لیے آپ اسے نکال ہی دیں اس پر انہوں نے روحانی طور پر دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا بدصورت جانور ان کے جسم سے نکل کر بھاگ گیا ہے اگلی مرتبہ آپ کو اللہ کے قرب

کے لیے روحانی پرواز نصیب ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ اس مرتبہ فرشتوں نے آپ کی پرواہی نہیں کی جب آپ واپس لوٹے تو فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ پہلے تو آپ میرے اکرام میں کھڑے ہوجایا کرتے تھے کیا وجہ ہے کہ آج کسی نے میری طرف دیکھا بھی نہیں اس پر فرشتوں نے جواب دیا کہ جس شے کی وجہ سے آپ کو ہم پر فضیلت حاصل تھی اور ہم آپ کا احترام کرتے تھے وہ تو آپ نے نکلوا ہی دی ہے اب ہم میں اور آپ میں کوئی فرق ہی نہیں رہا تو اکرام واحترام کیسا؟

مرکز سے ہدایات

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی آفاقی و عالمگیر اور حیات بخش تعلیمات اس گئے گزرے دور میں زنگ آلود قلوب واذھان میں یقیناً عمل کی تحریک پیدا کرتی ہیں ۔لہٰذا ان کی دہرائی کیلئے شیخ سلسلہ بابا جان نے تمام پیر بھائیوں کو مطالعہ کتب کا حکم دیا ہے ۔اس مطالعہ کے شیڈول کے مطابق عمل کریں ۔

مہینہ	کُتب
دسمبر 2018ء	تعمیر ملت
جنوری 2019ء	طریقت توحیدیہ اور حقیقت وحدت الوجود
فروری 2019ء	چراغ راہ
مارچ 2019ء	مقصود حیات

نقوشِ مہرووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

مہمان آئے: باباجانؒ نے ان سے تعارف کرایا کہ یہ لاہور سے آتے ہیں۔ جب گوجرانوالہ آئے اور مجھے کہا کہ میں نے آنا ہے۔ میں نے کہا کہ آجاؤ۔ اب یہ رحمت اللہ شاہ ہیں جو پی ایچ ڈی کے لئے سویڈن کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ پہلے ملائیشیا ایم فل کے لئے گئے تھے۔ اب چائنہ کا بھی ویزہ لگوایا ہے۔ ان کا چائنہ کا خیال نہیں تھا۔ اب سویڈن کو ویزہ اپلائی کیا ہے۔ اچھا ہے، چلو یورپین ممالک میں معیار اچھے ہیں۔ چلو پی ایچ ڈی کر آئیں گے تو اچھا ہے۔ Qualification ہے۔ علم کے بارے میں نبی پاک ﷺ کا حکم ہے کہ علم جو ہے وہ حاصل کرو۔ من المھد الی اللحد۔ گود سے گور تک پڑھنا چاہیے۔

باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) فرماتے تھے کہ یہ علم تو ساتھ جاتا ہے۔ یہ تو آپ کی Personality کا حصہ ہے۔ کتابیں جہاں مرضی جائیں۔ ڈاکٹر ہے تو وہ ڈاکٹر ہی ہے۔ سویڈن جو بھی آپ پڑھیں گے، وہ آپ کی Personality کا حصہ ہے۔ وہ ساتھ جائے گا۔ وہ ادھر نہیں رہ جاتا۔ آپ کی Personality کو Improve کرتا ہے۔ علم کا مقصد ہی یہ ہے۔

باباجانؒ کو ہمارے بھائی عبدالرشید ساہی صاحب ملاقات کے دوران پنکھا جھلنے لگے تو باباجانؒ نے منع فرمایا کہ مجھے نہیں ضرورت، آپ خود لیں۔ وہ بھائی فرمانے لگے کہ باباجی زمینداروں کو ویسے بھی کم گرمی لگتی ہے، یہ گرمی میں کام کاج کرتے رہتے ہیں۔

باباجانؒ فرمانے لگے کہ میں نے خود بھی کبھی پنکھا نہیں جھلا، میں ایسے ہی گزارا کرتا

ہوں، جو بھی ہو، جو مرضی ہو جائے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی مولانا حسن محمود تھے، یہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے خلیفہ تھے۔انہوں نے ادھر آ کے مدرسہ بنایا، پھیل گیا، بڑی دنیا آئی ۔انٹرنیشنل ہے، باہر سے بھی لوگ آتے ہیں۔ان مولانا حسن محمود کو ٹانگ میں کچھ مرض ہو گیا۔ حکیموں، طبیبوں، ڈاکٹروں سب نے علاج کیا مگر کہا کہ نہیں اب ٹانگ کاٹنا پڑے گی ورنہ یہ مرض پھیل جائے گا۔ یہ سب نے کہہ دیا۔ٹائم سیٹ ہوا، ان کو وہاں مرید لے گئے۔ڈاکٹر اور حکیم جو تھے، انہوں نے کہا کہ لاؤ ان کو Anesthesia کا ٹیکہ لگائیں، تاکہ ٹانگ سو جائے، یہ بیہوش ہو جائیں۔انہوں نے کہا کہ نہیں، میں نے ٹیکہ نہیں لگوانا۔یہاں سوئی چُبھ جائے تو وہ نہیں برداشت ہوتی، یہاں ٹانگ کاٹنی ہے۔انہوں نے کہا کہ جو مرضی ہو جائے۔اس کا مطلب ہے کہ جب ٹیکہ لگائیں گے تو میں بے ہوش ہو جاؤں گا؟ انہیں کہا گیا کہ ہاں۔کہنے لگے کہ میں ایک سیکنڈ کے لئے نہیں چاہتا کہ میرا تعلق اللہ سے ٹوٹے۔ میں یہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی وہاں سے نہیں ٹوٹنے دیتا۔تم اپنا کام کرو، میں اپنا کام کروں گا۔وہ اشفاق احمد زاویے میں لکھتے ہیں کہ یہ میڈیکل ہسٹری کا کیس ہے کہ انہوں نے اس طرح کرایا۔

وہ وہاں گئے، منہ پر رومال لیا اور لیٹ گئے کہ آپ اپنا کام کریں۔انہوں نے جیسے مرضی ہے کاٹا۔آری سے ہی کاٹا ناں جیسی بھی تھی۔مشینی تھی یا جیسی تھی، کاٹی گئی ہڈی۔وہ ٹانکے لگائے اور سب کچھ بند کیا انہوں نے جو کرنا تھا، کرلیا۔جب سب کچھ کرلیا تو آپؒ نے خود ہی پوچھا کہ ہاں جی میاں، کام ہو گیا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں جی ہو گیا۔انہوں نے کہا کہ مہربانی، آپ سب کو زحمت دی، سیدھے اُٹھ بیٹھے۔

یہ ہے نفی۔انہوں نے کہا کہ میں ایک سیکنڈ کے لئے نہیں چاہتا کہ میرا دماغ سے رابطہ ٹوٹ جائے۔آپ کریں جو آپ نے کرنا ہے۔ایسی بات ہے، اللہ والے اپنے اللہ کے ساتھ اتنا مضبوط تعلق رکھتے ہیں۔یہ نفی اثبات کہ نفی کی ہے تو نفی ہو گئی۔اشفاق احمد نے لکھا کہ یہ

میڈیکل ہسٹری کا کیس ہے کہ ایک آدمی نے بغیر Anesthesia کے ہڈی کٹوائی اور ٹھیک ٹھاک ہے۔

باباجانؒ کے اہل خانہ سے کسی کا فون آیا تو باباجانؒ نے بتایا کہ میں مصروف ہوں۔ یہ فلاں فلاں بھائی آئے ہیں۔ میں نے تو منع کیا تھا کہ نہ آئیں، گرمی ہے مگر کہتے ہیں کہ ہمیں گرمی نہیں لگتی۔ جو چل پڑے ہیں، ان کو گرمی نہیں لگتی، آجاتے ہیں۔ وہ علامہ نے بھی کہا تھا کہ:

ہو آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندہ مومن ہوں، نہیں دانہ اسپند

میں تو نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش بیٹھوں گا۔ میں ہرمل کا دانہ نہیں ہوں کہ چٹک کہ کہہ دوں کڑک کہ وہ ہو گئی۔ وہ نہیں ہوں میں۔ بندہ مومن ایسے نہیں کرتا۔ بہت صبر اور برداشت کرتا ہے۔ وہ سب کچھ اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے اور واویلا نہیں کرتا۔

نورِ ایمان

(محمدعتیق عباسی)

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۖ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۖ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيم

(سورۃ النور:35)

ترجمہ: ''اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور (روشنی) ہے،اس نور کی مثال ایسے ہے جیسا ایک طاق میں چراغ رکھاہوا ہو۔چراغ ایک شیشے (فانوس) میں ہو۔شیشہ ایک چمکتے ہوئے موتی اور چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہو۔وہ ایک ایسے مبارک زیتون کے درخت کے تیل سے جلتا ہو، جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی،اُس کا روغن بھڑک اٹھنے کو بیتاب ہو۔خواہ اُسے آگ نے چھوا تک نہ ہو۔ یہ روشنی ہے روشنی پر۔ اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور کی جانب جس کو چاہتا ہے۔وہ لوگوں کو مثالیں بیان فرما کر سمجھاتا ہے۔اللہ تو سب کچھ جاننے والا ہے۔اُسے ہر شے کی حقیقت کا علم ہے''۔

اِس آیت میں ''ایمان کی حقیقت اور اس کی مائیت'' کو تمثیل کے پیرائے میں سمجھایا گیا ہے جس سے انسان کا قلب،اِس کا سینہ اور نتیجتاً پورا وجود اور شخصیت منور ہو جاتی ہے۔مزید یہ کہ نور دو اجزاء کا مرکب ہے۔ایک نورِ فطرت یعنی روح جو ہر انسان کے اندر ودیعت شدہ ہے۔اور دوسرا نورِ وحی۔جس سے نورِ فطرت کی تکمیل ہوتی ہے۔

مثال یا تشبیہ کیوں!

یہ قرآن مجید ہی نہیں بلکہ تمام آسمانی کتب کا وصف ہے۔مثال یا تشبیہ اچھی طرح سمجھنے، سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کیلئے دی جاتی ہے۔کیونکہ بعض مضامین اتنے لطیف ہوتے ہیں اور انسان کے فہم و ادراک سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ ان کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کرنا ممکن نہیں ہوسکتا۔

دوسری جانب ان لطیف اور ماورائی حقائق کا اجمالی تصور انسان کی رشد و ہدایت، راہنمائی اور فلاح کیلئے ضروری نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔تا کہ ہر انسان اپنے فہم، عقل و شعور کے مطابق استفادہ کر سکے۔تمثیل اور تشبیہ کی ضرورت اور احتیاج انسان کو ہے۔''معاذ اللہ'' نہ کہ اللہ تعالیٰ کو۔جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا گیا ہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ■ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

''اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اور اللہ کو تمام اشیاء کا علم ہے''۔

نیز یہ علم ''کَمَاحَقَّه'' اور ''کَمَاهِيَ'' بھی ہے۔ہر شے کی اصل حقیقت اس پر روشن ہے اور احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط "زمین اور آسمان کا نور اللہ ہی ہے"۔

آسمان اور زمین کے الفاظ بالعموم قرآن مجید میں کائنات کیلئے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

لہٰذا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا نور ہے۔ ظاہری الفاظ اور معنی سے ایک مغالطہ لاحق ہوجاتا ہے کہ نور کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو رہا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہمارے فہم و ادراک، احساس، شعور، فکر، نظر حتیٰ کہ تصور اور تخیل سے ماورا نہیں بلکہ وراء الوراء ہے۔

النور:

اس آیت میں یہ جو نور کا ذکر ہے۔کیا یہ اللہ کی ذات سے عبارت ہے۔ اس آیت

میں دومرتبہ ''نُـــــــــورِہٖ'' کے الفاظ آئے ہیں ۔جس کے معنی ہیں ''اِس کا (یعنی اللہ کا) نور'' یہ مرکبِ اضافی ہے۔جب کسی شے کی اضافت کسی کی طرف کی جاتی ہے تو وہ شے اس کا غیر یعنی علیحدہ ہوتی ہے۔جب کوئی اپنے شیخ سلسلہ سے توجہ لیتا ہے تو شیخ الگ اور توجہ الگ شے ہے۔ اس کی ایک قطعی دلیل ''سورۃ الانعام کی پہلی ہی آیتِ مبارکہ'' میں یوں بیان فرمائی گئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

''تمام ثناء،تعریف اور شکر اُس کیلئے جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے،اندھیرے اور روشنی بنائے''۔

اللہ کے نور کی مثال محدود معنوں میں نہیں بلکہ مطلق معنوں میں ہے یعنی اِس کائنات میں ایک وہی ظہور اصل سبب ہے،روشنی دینے والی اشیاء اسی کی عطا کردہ روشنی سے روشن ہیں۔ بصورتِ دیگر ہر طرف تاریکی،ضلالت اور گمراہی ہوتی۔لہٰذا یہ ایمان کی حقیقت کیلئے بیان ہوا ہے نہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کیلئے۔اِس کا اطلاق ایمان باللہ پر ہے۔یہ اللہ کی اطلاقی شان ہے۔

نورِ خارجی اور نورِ باطنی:

ہمارے ذہنوں میں خارجی نور یا روشنی کا مفہوم یہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے اشیاء کا ظہور رہوتا ہے۔جو خود ظاہر ہو۔اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرے۔جب یہ خارجی روشنی نہیں ہوگی تو کچھ نہ دکھائی دے گا۔حالانکہ آنکھ کی دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔

ظاہری بصیرت تو حیوانات کو بھی حاصل ہے ۔لیکن سب سے بڑی نعمت بصیرتِ باطنی ہے۔بصیرتِ باطنی کو نورِ باطنی کی ضرورت ہے۔جس سے اشیاء کے حقائق کا ظہور ہو۔یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔کیونکہ کسی چیز کو اِس کی اصلی حالت میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ صحیح نظر وہی ہے جو اسباب کے پردے اٹھا کر مسبب الاسباب کو دیکھ سکے۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

تو جو بصیرتِ باطنی ہے اس کو ایک نورِ باطنی کی ضرورت ہے۔ وہ نورِ باطنی کیا ہے؟ وہ ہے نورِ معرفتِ خداوندی۔ اِس نورِ باطنی کیلئے جدوجہد، کشاکش اور محنت کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا کرم بھی شاملِ حال ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ یُخْرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْر۔ (البقرہ آیت:۲۵۷)

''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے''۔

گویا اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی تو کائنات کے تمام حقائق روشن ہو جائیں گے۔ حقائق تکوینی کے ساتھ ساتھ حقائق تشریعی اپنے جملہ اور احکام اور اسرار کے ساتھ منور ہو جائیں گے۔ ہر شے کی حقیقت نظر آنے لگے گی۔ کہ آغاز کیا ہے؟ اختتام کیا ہے؟ وجود کی ماہیت منکشف ہو جائے گی۔ موت و حیات کی حقیقت کیا ہے۔ خیر و شر کی حقیقت کیا ہے۔ جنت اور دوزخ کیا ہیں؟ علم کیوں ضروری ہے؟ مجازات اور عکافات کیوں ضروری ہیں۔ یہ سب اشیاء منکشف ہو جائیں گی۔ جس طرح نورِ خارجی کی بصارتِ خارجی کیلئے ضرورت ہے۔ بالکل اِسی طرح بصیرتِ باطنی کیلئے نورِ باطنی کی ضرورت ہے۔ جو معرفتِ خداوندی یا ایمان باللہ سے عبارت ہے۔

بقولِ علامہ محمد اقبالؒ:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب   آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

ارشاد فرمایا: مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ط "اِسکی روشنی کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو اس پر ایک چراغ ہو"۔

''نُورِہٖ'' اس کیلئے مختلف تفسیروں میں مختلف اقوال ہیں۔ اکثریت نے اُسے ہدایت اور علم کیلے مثال قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے یہاں نور سے مراد قرآن مجید لیا ہے۔

(قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر نور سے تعبیر کیا ہے) اور یہ رائے بھی ملتی ہے کہ اس سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ باالفاظِ قرآنی ''سراجاً منیراً'' فرمایا گیا ہے۔

اگر ہم ان تینوں آراء کو جمع کرلیں تو یہ ایک وحدت بن جاتی ہے۔سورۃ النحل کی آیت نمبر۴۴ میں فرمایا گیا ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَاَنُزِلَ اِلَیْھِمْ۔

''اور ہم نے آپؐ کی جانب یہ ذکر نازل فرمایا ہے۔آپ لوگوں پر واضح کریں جو ان کیلئے نازل کیا گیا ہے''۔ان آیاتِ مبارکہ کی رو سے قرآن کے دلائل،تشریح اور توضیح اور مزید یہ کہ اس کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنا۔قرآن مجید کو سمجھنا،اس سے مستفیض ہونا،نیز یہ کہ زندگی کے پیچیدہ مسائل اور اہم معاملات میں عملی راہنمائی کیلئے ہم اسوۂ حسنہ اور سنتِ رسول ﷺ کے محتاج ہیں۔یہ اللہ کی روشن دلیل اور برہان ہے۔اللہ کی حجت ہے۔

مَثَلُ نُورِہٖ کے ضمن میں حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی رائے نہایت قابلِ غور ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں۔'' مَثَلُ نُورُ مُن اٰمَنَ'' اس کے نور کی مثال جو ایمان لایا،یعنی جو ایمان لے آیا اُسے نور عطا ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں: ''مَثَلُ نُورِہٖ '' سے مراد'' مَثَلُ نُورِہٖ فِی قَلبِ الْمُوئمِنْ '' اس کے نور کی مثال جو قلبِ مومن میں ہوتا ہے۔گویا کہ یہاں مراد نورِ ایمان ہے۔ایمان حقیقی کے نور کا مقام و محل قلب ہے۔قلبِ مومن میں جو نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے۔آگے اس کی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے کہ جیسے ایک طاق میں روشن چراغ رکھا ہوا ہے۔یہ چراغ ایک شیشے (فانوس) میں ہے۔اور فانوس کی یہ کیفیت ہو،جیسے موتی کی مانند چمکتا اور جگمگاتا ہوا ستارہ ہو۔ایک ایسے مبارک زیتون کے تیل سے جلتا ہو،جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی جس کا تیل بھڑک اٹھنے کو بیتاب ہو،چاہے اُس کو آگ نے چھوا تک نہ ہو۔

آیئے ہم ذرا اپنی ساخت پرغور کریں۔ سینے اور پسلیوں کی ہڈیوں کو تصور میں لائیں۔ وہ بالکل ایک قندیل اور طاق کی مانند ہیں۔اس کا ''ڈایا گرام'' سینے کومعدہ وغیرہ سے جدا کرتا ہے۔وہ اس کا فرش ہے۔اور اس فرش پر قلب رکھا ہوا ہے۔قلب ایمان سے منور ہو جاتا ہے۔ اگر چراغ قندیل یا فانوس میں نہ ہو تو روشنی بکھر جائے گی۔لیکن شیشے کے فانوس میں ایک جگہ مرتکز رہتی ہے۔ روشنی ماحول پر یکساں اور ہموار طریقے سے سرایت کرتی ہے۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ کوئی درخت شرقی یا غربی دھوپ کی سمت کی بنا پر کہلاتا ہے۔اگر درختوں کے جھنڈ میں ہوگا یا جھاڑ جھنکار اُگی ہوگی تو ایک ہی سمت سے دھوپ پڑے گی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اِس سے زیتون کا ایسا درخت مراد ہے جو کھلے میدان یا پہاڑ کی چوٹی پر تنہا کھڑا ہو۔ایسے درخت کا پھل، صاف، شفاف اور اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے۔اس کے تیل یا روغن میں روشن ہونے کی استعداد بدرجہ کمال و اتم موجود ہوتی ہے۔ حقیقت میں ایسے درخت کے تیل کی مثال سے ہمیں تزکیہ نفس و اخلاق کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے اور یہ بات ہمارے تجربہ میں بھی ہے کہ ملاوٹ شدہ اور کثیف تیل کو جلانے میں محنت اور جتن کرنے پڑتے ہیں۔جبکہ صاف تیل فوراً جل اٹھے گا۔عہدِ حاضر میں خالص پٹرول کی مثال دی جاسکتی ہے۔اِس تیل یا روغن سے ایک سلیم الفطرت انسان کی مثال دی گئی ہے۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ روشنی پر روشنی

یعنی جب اسے آگ دکھائی جاتی ہے تو آگ بھڑک اٹھتی ہے۔اور روشنی پر روشنی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ درحقیقت ایک سلیم الفطرت انسان، انسانیت کے جوہر اور اپنی فطرت (یعنی روح) کو سلامت اور محفوظ رکھتا ہے۔ اِس میں کسی قسم کی آلائش اور کثافت نہیں آنے دیتا۔ نفسانی خواہشات، شہوات سے پاک اور کسی قسم کی آلودگی پیدا نہیں ہونے دیتا۔صحابہ کرامؓ میں ایسی ہی شخصیات تھیں جن کے قلوب نورِ روحی سے فوراً جگمگا اُٹھے اور صدیقین کہلائے۔

انہی ہستیوں کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا:

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (سورۃ الحجرات آیت نمبر ۷)

"اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا کی یعنی ایمان کو محبوب ترین متاع بنادیا۔ اور تمہارے دلوں کو اس سے آراستہ اور مزین کر دیا"۔ لیکن دوسری جانب اسی سورۃ کی آیت مبارکہ نمبر ۱۴ میں بعض دوسرے حضرات کیلئے یہ فرمایا گیا ہے کہ "وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُم" "اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔

روشنی پر روشنی کی مثال ایمان کے اجزائے ترکیبی ہے۔ فطرتِ انسانی کے اندر اللہ کی معرفت یا اللہ پر ایمان کی کیفیت تو پیدائشی طور پر موجود ہے۔ فطرتی معرفت کی اس روشنی کے بعد انسانی رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور بڑا ذریعہ نورِ وحی ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان کے خوابیدہ اور فعال ایمان اور معرفت کو متحرک کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ہم خود بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے عموماً یہ معرفتِ خداوندی خارجی ماحول اور حالات کے منفی اثرات کے زیر اثر مادیت اور غفلت کے پردے میں اوجھل ہو جاتی ہے۔ وحی الٰہی کے پیغام پر ہر انسان کا ردِ عمل مختلف ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کی فطرت میں غفلت او رتکدر ہے تو وہ فوری طور پر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اسکو غفلت اور تکدر سے نکالنے کیلئے اور اس کی کثافت کو دور کرنے کیلئے تزکیۂ نفس وقلب اور تزکیۂ اخلاق کی ضرورت ہے تا کہ فطرت (یعنی روح) بیدار اور فعال ہو سکے۔

بقول علامہ محمد اقبال:

تنِ بے روح سے بیزار ہے حق خدائے زندہ، زندوں کا خدا ہے

اس کیلئے ہمیں اپنے آپ سے لڑنا ہے۔ نفس کا غلام نہیں بلکہ نفس کو غلام بنانا ہے۔ دل کے دروازے پر دربان بٹھانا ہے۔ دل کو تمام آلائشوں اور کثافتوں سے پاک کرنا ہے۔ خود اپنی پہچان کرنی ہے۔ یعنی "اپنے من میں ڈوب کے پا جا سراغِ زندگی"

اگر ہمارے قلب میں کثافت ہے اور جو ہم شیخِ سلسلہ سے توجہ حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں تو وہ نورانی شعاع قلب پر کیسے اثر انداز ہوگی۔ ہمیں کیا ادراک حاصل ہوگا۔ کیسے سرایت کرے گی۔ دوسری جانب جن کا تزکیہ کامل ہے۔ نورِ فطرت جولانیوں پر ہے تو نورِ وحی سے ان کا سینہ جگمگا اُٹھتا ہے۔

انہی خوش نصیب ہستیوں کو سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں ''سابقون والاولون'' کا خطاب ملا۔ ان کے فطرتی آئینے صاف اور شفاف تھے۔ لہٰذا اسی ماحول میں کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کو اس شفافیت کیلئے محنت اور اضافی وقت درکار ہوا۔ بعد ازاں یہی حضرات اپنی استطاعت اور استعداد کے مطابق ''سابقون والاولون'' کی پیروی کرنے والوں کی صف میں شامل ہوئے۔ اسی آیت میں ان کیلئے فرمایا گیا: ''وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْ بِاِحْسَانٍ''

''جنہوں نے احسان کے ساتھ پیروی کی''۔

نورِ وحی سے فیض یاب ہونے سے ''نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ'' کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ گویا روحِ انسانی جو کہ ایک نورانی یا ملکوتی شے ہے۔ جب اس ملکوتی روح کا نورِ وحی سے اتصال ہوتا ہے تو اِس سے نورِ ایمان وجود میں آتا ہے۔ جس سے انسان کا دل منور ہو جاتا ہے۔ پورا سینہ روشن ہو جاتا ہے۔ پھر پوری شخصیت منور ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے ایسی شخصیت کا وجود اپنی ذات میں خلقِ خدا کیلئے نورِ ہدایت بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس نورِ ہدایت کا عمل بدرجہءِ کمال و تمام ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ظہور ہوا کہ آپ مجسم نورِ ہدایت اور بالالفاظ قرآن مجید ''روشن چراغ'' ہیں۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

''اللہ تعالیٰ اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے''۔ اس نورِ ہدایت کیلئے ہمیں اخلاص اور اللہ سے محبت کی ضرورت ہے۔ اس کیلئے جدوجہد، کشاکش اور محنت کرنی ہے۔ وگرنہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا گیا ہے۔ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

"اور جس کو اللہ ہی نور عطا نہ فرمائے، اس کیلئے کوئی نور نہیں"۔

دراصل نور تو ایمان میں ہے۔ اگر ایمان ہی میسر نہیں تو پھر نور کہاں! اس صورت میں تو ظلمات اور تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں۔ ابتداء میں نورِ خارجی اور نورِ باطنی کا ذکر کیا ہے۔ نورِ باطنی حقائق کے ظہور کا ذریعہ بنتا ہے۔ گویا نورِ ایمان نہ ہو تو حقائق کا ادراک ممکن نہیں۔ یہی بصیرت، باطنی مشاہدہ ہے۔ چنانچہ اس کیلئے ہر شخص کو قرآن کے الفاظ " وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ " کے بارے میں خود سوچنا اور سمجھنا چاہیئے۔ خود اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ میں کہاں اور کس مقام پر ہوں۔ ہماری ہستی میں یہ نورانی عنصر دراصل خود ہی خدا کی ایک تجلی ہے۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

ہے نورِ تجلی سے ہی خاک میں پنہاں غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں

دم چیست، پیامے است! شنیدی نہ شنیدی؟ در خاکِ تو یک جلوۂ عام است ندیدی
دیدن دگر آموز! شنیدی دگر آموز!

یعنی ہر سانس کی آمد و رفت کیا ہے؟ ایک پیغام ہے تم سنتے ہو یا نہیں سنتے (ذرا پاس انفاس پر غور کیجیئے) تمہارا خاکی وجود نور کی ایک آماجگاہ بھی ہے۔ ایک دوسری طرح کا بھی دیکھنا سیکھو اور سننا بھی! واقعہ یہ ہے کہ ایمانِ حقیقی کے بغیر انسان اس "دیدن دگر" اور "شنیدن دگر" سے محروم رہتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی مشہور دعا ہے۔ " اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقِیْقَۃَ الْاَ شْیَاءِ کَمَا ھِیَ "

اے اللہ! مجھے اشیاء کی حقیقت دکھا۔ جیسی کہ وہ فی الحقیقت ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں یہ جذبہ، ولولہ اور آرزو پیدا فرما دے۔ ہم بھی ان خوش نصیبوں کی صف میں شامل ہو جائیں جنھیں اللہ نے بحرِ ظلمات سے نکال کر ایمان اور ایقان کی روشنی نصیب فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں سابقون الاوّلون کی پیروی کی توفیق نصیب فرمائے۔

سالِ نو ساعتِ سرمستی یا وقتِ احتساب

(مولانا خالد سیف اللہ)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو بہت سی نعمتیں عطاء فرمائی ہیں، ان میں ایک اہم ترین نعمت ''وقت'' ہے۔ وقت کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وقت کی قسم کھائی ہے، اور ایک مستقل سورۃ ''والعصر'' کے نام سے نازل ہوئی ہے۔ ''عصر'' کے معنی زمانہ اور وقت ہیں۔ پھر دن و رات کے مختلف مواقع ہیں، جن کیلئے الگ الگ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، جیسے، دن، رات، صبح، سورج نکلنے کا وقت وغیرہ، چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رات کی (اللیل: ۱)، دن کی (النہار: ۲) صبح کی (التکویر: ۱۸) اور سورج چڑھتے ہوئے دن کے وقت کی (الضحیٰ: ۱) قسمیں کھائی ہیں، قرآن میں جب کسی چیز کی قسم کھائی جائے تو اس سے اس چیز کی اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اس طرح قرآن مجید نے بار بار وقت کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پھر غور کیجئے کہ اکثر عبادتیں وقت ہی سے متعلق ہیں، نماز پنجگانہ جو افضل ترین عبادت ہے، اس کا اداء وقضاء ہونا، درست اور نہ درست ہونا اور مستحب و مکروہ ہونا، وقت کے ساتھ مربوط ہے، روزہ کی ابتداء وانتہاء، وقت سے اس درجہ متعلق ہے کہ اس میں دو چار منٹ کی بھی کمی زیادتی نہیں ہوسکتی، یہی حال دوسری عبادتوں کا بھی ہے۔

وقت کی اہمیت کیوں نہ ہو، کیونکہ انسان کی نیکیاں اور برائیاں اور ثواب، عذاب سب کا تعلق وقت کے صحیح اور غلط استعمال سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن

جب تک لوگ پانچ باتوں کا جواب نہیں دے دیں گے ان کو آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہیں ہوگی، ایک یہ کہ انہوں نے اپنی عمر کس کام میں بسر کی: عن عمرہ فیما افناہ، دوسرے اپنی جوانی کس کام میں صرف کی: عن شبابه فيما ابلاه، تیسرے مال کس ذریعہ سے کمایا اور چوتھے کس راہ میں خرچ کیا اور پانچویں یہ کہ اس نے جو کچھ سیکھا اس پر کتنا عمل کیا؟ (ترمذی: ۲/ ۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کا سودا اصل میں وقت ہی کے حساب و کتاب سے متعلق ہے، اور دنیا میں تو ہر شخص دن و رات اس کا تجربہ کرتا رہتا ہے، کہ وقت کی ناقدری انسان کو کس قدر نقصان پہنچاتی ہے اور وقت کی قدر دانی اسے کس قدر نیک نام و بامراد کرتی ہے، اسی لئے اردو کے ایک شاعر نے خوب کہا ہے:

لمحہ گزر گیا تو سمجھئے صدی گئی

چند دنوں میں نئے سال کا آغاز ہونے والا ہے، ۳۱ دسمبر کے بعد آنے والی رات کو جوں ہی گھڑی کا کانٹا بارہ بجے کو پہنچے گا تو یہ صرف .A.M اور .P.M ہی کی تبدیلی نہیں ہوگی، بلکہ یہ ایک سال کی تبدیلی ہوگی، اور ایک نئے کیلنڈر کو وجود میں لائے گی، نیا سال دراصل ہمیں دو باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، ماضی کا احتساب اور آئندہ کا پروگرام، انسان کے لئے اپنا محاسبہ ضروری ہے، یہ محاسبہ ہمہ پہلو ہونا چاہیے، محاسبہ دنیوی اُمور میں بھی ضروری ہے، اگر آپ تاجر ہیں تو اپنی تجارت کا جائزہ لیں، کہ اس میں آپ نے کیا کچھ ترقی کی ہے؟ اگر نہیں کی ہے یا پیچھے ہٹے ہیں، تو اس کے کیا اسباب ہیں؟ کہیں اس میں آپ کی کوتاہی کو تو دخل نہیں ہے؟ اگر آپ کسی سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں ملازم ہوں تو غور کریں کہ آپ اس میں جو بہتر پوزیشن حاصل کر سکتے تھے اپنی ایمانداری اور بہتر کارکردگی کے ذریعہ جو اعتماد آپ کا پیدا ہو سکتا تھا، آپ نے کس حد تک اسے حاصل کیا ہے؟ اسی طرح ہر شعبۂ زندگی میں ہمیں اپنی کامیابی و ناکامی اور

پیش قدمی و پست رفتاری کا جائزہ لینا چاہیے۔

انسان کا کسی چیز میں پیچھے ہو جانا بری بات نہیں، بُری بات یہ ہے کہ انسان بے حسی میں مبتلا ہو جائے، وہ ناکام ہو اور اپنی ناکامی کے اسباب پر غور نہ کرے۔اس کے قدم پیچھے ہٹیں، اور فکرمندی کی کوئی چنگاری اس کے دل و دماغ میں سلگنے نہ پائے، وہ ٹھوکر کھائے لیکن ٹھوکر اس کے لئے مہمیز نہ بنے، جو شخص اپنے نقصان کا جائزہ لیتا ہے، اپنی کتاب زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کو محسوس کرتا ہے، وہی گر کر اُٹھتا اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، جس میں اپنے احتساب اور اپنی کمزوریوں کے اعتراف کی صلاحیت ہی نہ ہو، وہ کبھی اپنی منزل کو نہیں پاسکتا۔

جیسے دنیوی اعتبار سے اپنا احتساب ضروری ہے، اسی طرح دین واخلاق اور اعمال و کردار کے اعتبار سے بھی احتساب ضروری ہے، اپنی عبادات پر نگاہ دوڑائیں، کہ گزشتہ سال کے مقابلے اس سال اس میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟ اپنے معاملات کو دیکھیں کہ حلال وحرام اور مستحبات و مکروہات کے جو احکامات شریعت میں ہیں، ان میں ہم سے کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے، خاص کر اپنے اخلاق وسلوک کا جائزہ لینا چاہیے، والدین کے ساتھ، شوہر و بیوی کے ساتھ، اولاد کے ساتھ، رشتہ داروں خاص کر غریب رشتہ داروں کے ساتھ، خاندان کی بیوہ اور یتیم بچوں کے ساتھ، مسلمان اور غیر مسلم پڑوسیوں اور کاروبار و دفاتر کے رفقاء کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہے؟ ہم ان کیلئے پھول ہیں یا کانٹے؟ وہ ہم سے راحت وسکون محسوس کرتے ہیں یا خوف و دہشت؟ ہم نے انہیں محبت کی سوغات دی یا نفرت وعداوت کا تحفہ؟ غرض ہمیں اپنی زندگی کے ایک ایک عمل کا جائزہ لینا چاہیے اور خود اپنا حساب کرنا چاہیے، کیونکہ انسان دوسرے انسانوں کی نگاہ سے اپنی کوتاہیوں کو چھپا سکتا ہے، لیکن اپنے آپ سے نہیں چھپا سکتا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ "اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے، خود اپنا حساب کرو۔" (کنزل العمال)

پھر اس احتساب، آپ کو اپنے جائزہ اور خود احتسابی کی روشنی میں آئندہ سال کا نظام بنانا چاہیے، کیا بہتر کام اس نے کئے ہیں، جنہیں برقرار رکھا جائے؟ ان بہتر کاموں میں معیار یا مقدار کے لحاظ سے کیا اضافہ کیا جا سکتا ہے؟ اور اسے اس میں فلاں حد تک اضافہ کرنا ہے، کیا کوتاہیاں اور کمزوریاں ہیں، جنہیں وہ اس سال دور کرے گا، اور اگر وہ مکمل طور پر انہیں دُور نہیں کر سکتا، تو اسے کم کرے گا، دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا، تعلیم کا معاملہ ہو یا ہنر مندی کا، تجارت میں ہو، ملازمت میں، سماجی تعلقات کی بات ہو یا معاشی معاملات کی، ہر جگہ یہ پلاننگ اور پروگرام سازی ضروری ہے، اور اسی سے اس کی ترقی و کامیابی متعلق ہے۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
دن بہ دن، لحہ بہ لحہ، دم بہ دم

لوگ سال نو کی خوشیاں مناتے ہیں، لیکن غور کیجئے تو یہ موقع خوشی سے زیادہ غم کا ہے، یہ ساعت جشن و مسرت نہیں، بلکہ لحہ عبرت و موعظت ہے، کیوں کہ سال کے گزرنے سے عمر بڑھتی نہیں ہے، بلکہ عرصہ حیات تنگ ہوتا جاتا ہے، اور مقررہ عمر میں کمی ہوتی جاتی ہے، اس لئے سالِ نو کی آمد غفلت شعار طبیعتوں کیلئے صورِ انتباہ اور سونے والوں کیلئے بیداری کا الارم ہے، نہ کہ سرمستی و عیش کوشی کا پیغام، یہ وقت ہے کہ ایک مومن کی پیشانی خدا کی چوکھٹ پر خم ہو کہ تو نے میرے، بہت سے ہم عمروں کو اُٹھا لیا، اور مجھے اپنی مہلت سے سرفراز کیا ہے، اس لئے تیرے دربار میں امتنان کے جذبات پیش کرتا ہوں، یہ وقت ہے کہ خدا کے حضور التجاء کے ہاتھ اُٹھیں کہ خدایا! میرے مستقبل کو میرے ماضی سے بہتر فرما، میری نامرادیوں کو کامیابیوں اور میری پستیوں کو بلندیوں سے بدل دے، خاص کر مسلمان اس وقت پورے عالم میں خدا سے غفلت شعاری اور دنیا

اور متاعِ دنیا کی محبت کی جو سزا پا رہے ہیں، اس پس منظر میں پوری اُمت کو عالم اسلام اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کی دُعاء کرنی چاہیے۔

لیکن افسوس اور ہزار بار افسوس ! کہ عبرت پذیری اور موعظت انگیزی کی اس ساعت کو بھی ہم نے عیش کوشی، خودفراموشی اور خدافراموشی کی ساعت بنالیا ہے، اس موقع پر رقص وسرور کی محفلیں سجائی جاتی ہیں، تفریح گاہوں اور پارکوں میں کھلے عام بے حیائی کے مناظر دیکھے جاتے ہیں، اور جن بے ہودہ حرکات وسکنات کیلئے کبھی اہلِ مشرق اہلِ مغرب کو شرم و عار دلاتے تھے، اب خود مشرق اس بے حیائی کی دوڑ میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کو مضطرب ہے، کیا کسی شریف انسان کیلئے اس طرح کھلے عام بادۂ وساقی سے ہم دہن و ہمکنار ہونا زیبا ہے؟ اور کیا مسلمانوں کیلئے اس خودفراموشی اور غفلت کوشی کا کوئی موقع ہے؟ جس قوم کا قبلہ اوّل اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہو، عالم اسلام کے قلب وجگر تک دشمن کی رسائی ہوچکی ہو، جس کی عبادت گاہ بلا کسی دلیل اور جواز کے زمین بوس کردی گئی ہو، جس کا لہو گجرات کے چپہ چپہ سے ایسا ٹپک رہا ہے جیسے موسم سرما میں کہر، ایسی مظلوم اور ستم رسیدہ اور ذلت ونکبت کی سرحدوں پر کھڑی اُمت کیلئے خوشی کے شادیانے بجانے اور عیش ونشاط کے کاشانے سجانے کا بھی کوئی موقع ہے؟؟۔

نعت رسول مقبول ﷺ

جس نے ہم کو مدنی ﷺ بخشا یاد کرو سب اس رب کو
ارمانوں کی پھیلائے جھولی جا رہے ہیں یثر ب کو

زادِ راہ کچھ اور نہیں یہ لڑیاں ہیں درودوں کی
جنکے کے گجرے بنا بنا کے جا رہے ہیں یثرب کو

بگڑی ہوئی تقدیر سنا ہے در پہ اُن ﷺ کے سنورتی ہے
ہم بھی مقدر کو سنوارنے جا رہے ہیں یثرب کو

بیت ا للہ کا حج بھی کرنا ہے بہانہ یاروں کا
کعبے کا کعبہ ﷺ بھی دیکھیں جا رہے ہیں یثرب کو

جو بھی گیا سائیں ﷺ کے در پہ دلی مرادیں پا بھی گیا
ہم بھی خالی جھولی لے کر جا رہے ہیں یثرب کو

ساقی کوثر ﷺ بانٹ رہے ہیں پینے والے پی بھی رہے ہیں
ہم بھی لے کر کاسئہ اُلفت جا رہے ہیں یثرب کو

آقا ﷺ کے ہاتھوں جس نے پی لی سرِ عرش ہی وہ جھوم گیا
ہم پی کے رہیں گے قدموں میں اُن ﷺ کے جا رہے ہیں یثرب کو

مے کشو آؤ چلیں مدینہ میکدہ ہے کھلا ہوا
جام بھریں گے خوب پئیں گے جا رہے ہیں یثرب کو

مے طیبہ میں بٹ رہی ہے اور دھڑا دھڑ چل رہی ہے
مے خواروں کا بندھا ہے تانتا جا رہے ہیں یثرب کو

الفت بھرا ساغر بھی ملے گا اُن ﷺ کے پیار ے ہاتھوں سے
پُر کیف سرور آئے گا جانی جا رہے ہیں یثرب کو

دونوں جہاں کے والی ﷺ کا دیدا ر کریں گے جی بھر کے
ہو گی دل کی دنیا آباد جا رہے ہیں یثرب کو

جا کے مدینہ پھر نہ آئیں دعا کرو سب مل کر یارو
وہیں جئیں گے وہیں مریں گے جا رہے ہیں یثرب کو

فقیر سید بھی گرتا پڑتا پہنچا اُن ﷺ کے قدموں میں
ہو اُن کی چوکھٹ پہ موت سہانی جا رہے ہیں یثرب کو

(غلام یٰسین بخاری)

سیرت النبی ﷺ کے داعیانہ پہلو (گزشتہ سے پیوستہ)

(پروفیسر احمد رضا خان)

صحابہؓمیں نبی کریم ﷺ کی محبت، جو رب نے ان کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ اسلئے وہ رب کا پیغام دل و جان وخوش اسلوبی سے اور اللہ کی رضا کیلئے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ بس اللہ تعالٰی نے ان کے درمیان الفت ڈال دی اور اللہ نے اس کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے۔ اللہ نے اس بات کو جتلایا ہے کہ اوس اور خزرج قبیلے مدینہ میں ہمیشہ لڑتے رہتے تھے، نبی علیہ السلام نے کہا کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان الفت ڈال دی ہے۔ اگر یہ پوری دنیا کی دولت بھی خرچ کر دیتے تو ان کے درمیان الفت نہ ہوتی۔ بزرگ اللہ کیلئے بیٹھے ہوئے ہیں جن کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں آج اس دور میں ان بزرگوں کی صورت میں، تعلیم کی صورت میں اتنی منفرد چیز دے دی ہے۔ آج اس دور میں کہ جب بدعات کا طوفان اٹھا ہوا ہے۔ طوفان کے آگے کھڑا ہونا آسان نہیں ہے۔ آپ کو اس دور میں ایسی تعلیم کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔ ہمیں بزرگوں کے اقوال ملتے ہیں، بڑے بڑے دعوے تو ملتے ہیں مگر پھر اس کے اندر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم ایک سپریم اور Unique چیز اللہ تعالٰی نے ہمیں عنایت کی ہوئی ہے۔ رب کو ہی حاجت روا مانو۔ صرف رب ہی رب ہے اور کچھ نہیں ہے اور رب کی نسبت سے جو تعلق اور واسطے ہیں وہی سب کچھ ہیں۔ باقی جتنی Binding Force ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالٰی نے قرآن میں کہا کہ وما الحیات الدنیا الا متاع الغرور۔ "نہیں ہے یہ دنیا کا سامان مگر دھوکہ۔ رب واسطے کا جو تعلق ہے وہی باقی رہتا ہے۔ قبلہ عبد الحکیم انصاریؒ نے جو دوسری بنیادی بات کہی ہے وہ ذکر ہے یعنی اللہ کی

یاد۔ میں خود ذاتی طور پر سوچتا ہوں کہ نبی علیہ السلام کی پیروی کرنا بظاہر لگتا ہے کہ انسانی بس سے باہر ہے۔ اگر چہ پیغمبرں کے قوا اور ان کی باتیں مختلف ہوتی ہیں لیکن صحابہ کرامؓ بھی تو ہیں جنہوں نے اسوہ کی ستقلید کی۔ اگر چہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبروں کی شان بڑی اونچی ہے، ہم تو ان کی پیروی ہی کر سکتے تو آپ ﷺ کے اصحاب تھے، بعد میں آنے والے تابعین ہیں، اللہ کے اولیاء ہیں۔ جو اپنی ساری زندگی اسوہ کے مطابق ڈھال کر عمل کرتے رہے جو ہمارے لئے بھی قابل عمل ہے۔ یہ جو اللہ نے کلیہ بتایا ہے کہ وذکر اللہ کثیرا۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ تو تمہارے لئے اسوہ پر عمل کرنا آسان کر دوں گا۔ اب آپ ﷺ کے اسوہ کی ایک چھوٹی سی تمثیل پیش ہے کہ وہ بندے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے، قتل کرنے کیلئے عملی طور پر چڑھائیاں کیں اور نہ جانے کیا کچھ کرتے رہے، ابو سفیان کو دیکھ لیں، ہندہ کو دیکھ لیں۔ ہندہ نے اپنے غلام وحشی کے ذریعے اپنے بھائی جس کو بدر میں حضرت حمزہؓ نے قتل کیا تھا کا بدلہ لینے کیلئے حضرت حمزہؓ کو غزوہ احد میں شہید کروا دیا۔ اس نے وحشی سے کہا حضرت حمزہؓ کو قتل کر کے لاؤ تمہیں آزاد کر دوں گی اور خود بھی غزوہ احد میں ساتھ آئی۔ وحشی نیزہ مارنے میں بڑا ماہر تھا، چھپ کے تاک میں بیٹھا رہا پھر ایسا نیزہ مارا جو آر پار ہو گیا، اور آپؓ شہید ہو گئے۔ اس نے جناب حضرتؓ کا کلیجہ کاٹا، کلیجے کو ہار کے اندر پرو کر گلے میں ڈالا اور نعرے لگائے کہ دیکھو آج میں نے اپنے بھائی کا انتقام لے لیا ہے۔ اس عورت کی وحشت اور بربریت کس درجے پر پہنچی ہوئی تھی کہ آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بابا جان نے دعا مانگی کہ یا اللہ! تیرے حبیب کی جو رحمت ہے اس کو عام کر دے۔ آپ ﷺ کی رحمت کا اندازہ لگائیں کہ فتح مکہ کے وقت اس ہندہ کو معاف کر دیا جسے کسی قانون کی رو سے معافی کا حق حاصل نہیں تھا۔ اللہ تعالٰی کے نبی ﷺ کی رحمت پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔

اللہ تعالٰی کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیگا، جھگڑا ہوا ہے، تم حق پر ہو، اللہ کیلئے جھگڑا چھوڑ دو، میں محمد ﷺ جنت میں تمہیں ایک محل کی بشارت دیتا ہوں"۔
اگر آپ اللہ کے نام کا ذکر کریں اور اللہ والوں کی سنگت میں بیٹھیں گے تو آپ اس ہالے میں آ جائیں گے جہاں یہ اللہ کے پیارے، اللہ کا نام لینے والے تشریف رکھتے ہیں، اللہ ضرور کرم کرے گا۔ یہ اندر کی باتیں ہیں، یہ سارے داخلی معاملات ہیں، خارج میں کچھ نہیں ہے، آپ کے اندر حوصلہ پیدا ہوتا ہے، آپ کے اندر اللہ سے تعلق پیدا ہوتا ہے جس نے آپ کو ان سارے مسائل سے نمٹنے کیلئے تیار کرنا ہے ۔بات بر سبیل تذکرہ ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب کو دیکھا ہے، ماشاءاللہ باباجی کی صحبت میں بیٹھتے تھے، کئی ایسے معاملات میرے مشاہدے میں آئے ہیں، جب وہ حق پر تھے تو انہوں نے جھگڑا چھوڑ دیا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ میں نے کسی عالم فاضل کو ایسے نہیں دیکھا۔ بڑے بڑے حضرات کو میں نے دیکھا ہے مگر ان کی یہ صفت میں نے نہیں دیکھی۔ بعد میں یہ حدیث میری نظر سے گزری کہ اللہ کے نبی ﷺ جنت کے وسط میں ایک محل کی بشارت دے رہے ہیں کہ اللہ واسطے جھگڑا چھوڑ دو، اگرچہ تم حق پر ہو، تمہارے اندر بدلہ لینے کی طاقت بھی ہے، تم بدلہ لینے کی Position میں بھی ہو پھر تم جھگڑا چھوڑ دو۔ یہ چیز کہاں سے پیدا ہوئی؟ کبھی میرے اباجی نے لمبی چوڑی حدیثیں نہیں پڑھیں۔ ایک عام سے آدمی تھے، اُن میں کہاں سے یہ صفات پیدا ہوئیں؟ میرے اندر تجسس پیدا ہو گیا۔ میں مختلف چیزیں دیکھتا تھا کہ جو اللہ کے نبی ﷺ نے بشارتیں دی ہیں، یا جو ایک مومن کی صفات ہیں وہ کیسے پیدا ہو رہی ہیں؟۔ کبھی نہیں پڑھا ہم تو چلو پڑھ لیتے ہیں، اپنے اوپر وہ چیز طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یا کوشش کرتے ہیں کہ میرا عمل اس رنگ کا ہو لیکن میں نے دیکھا کہ یہ ایک خاص ہالہ ہے، یہ ایک خاص رنگ ہے ۔صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ۔ یہ اللہ کا رنگ ایسا احسن رنگ ہے کہ

اس رنگ کے اندر آ جائیں، اللہ والوں کی مجلس، صحبت، اور سنگت اختیار کرلیں، اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر یہ رنگ چڑھا دے گا۔ روحانی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اس راہ پر چلنا آسان ہو جائے گا، کوئی زور نہیں لگے گا۔ قرآن پاک کی آیت کہہ رہی ہے کہ اگر اسوہ حسنہ پر عمل کرنا ہے تو اللہ کو مانو، یوم آخرت کو مانو، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، پھر دیکھنا تمہارے لیے اسوہ پر عمل کرنا کتنا آسان ہو جائے گا۔ یہ کلیہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ باباجی انصاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ "مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں، فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں"۔ ۱۲ ربیع الاول کے حوالے سے ہم اکٹھے ہوئے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کا یوم ولادت ہے، بڑا خوشی کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے کرم کیا ہے، ہمارے اندر اپنا نبی ﷺ بھیجا ہے، ہمارے اندر کائنات میں اپنی سب سے زیادہ معرفت والی شخصیت بھیجی ہے۔ ہمیں خوشی نہیں ہوئی تو اور کس کو ہوتی ہے لیکن اس خوشی کا جو ڈھنگ ہے ہم اسی طریقے سے اسے مناتے ہیں جیسے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے اپنایا ہے۔ یہ لطف کی اور رنیا دی بات ہے کہ ہم کسی کو برا بھی نہیں کہتے۔ باباجی فرماتے ہیں کہ ہمیشہ Issue پر بات کریں، کسی فرد کو نہ کہیں کہ وہ ایسے کرتا ہے، یہ کرتا ہے، یہی سنت ہے۔ آپ Issue بتائیں کہ یہ اصل میں موضوع ہے اور یہ ایسے ہے۔ اپنے Internal issues کو تھوڑا خود بھی ہینڈل کرنا پڑتا ہے، اس لئے یہ ہمیں ذکر اذکار جو بتائے گئے ہیں وہ کرنے ہیں، اس ذکر اذکار اور مجاہدے کی خاطر خود پر تھوڑا جبر بھی کرنا پڑتا ہے، یہ ہم نے کرنا ہے۔ ہم کوشش کریں تو اللہ کی طرف سے مدد بھی آتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ انّ الـذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ 'جن لوگوں نے کہا کہ اللہ رب ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے'۔ 'تو ہم ان کے اوپر فرشتے نازل کرتے ہیں'۔ فرشتے جب نازل ہوتے ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں۔ لا تخافوا ولا تحزنوا۔ 'نہ خوف کرو نہ غمگین ہو'۔ فـابشـروا فـی الجنـہ۔ 'تمہارے لئے جنت کی خوشخبری ہے'۔ فرشتے نازل ہوتے

ہیں،فرشتے زمانے کے مصائب کے خلاف آپ کے اندر قوت پیدا کرتے ہیں ۔آپ میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ کام غلط ہے میں نے نہیں کرنا ۔جبکہ آپ عام آدمی کو دیکھتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ناک کٹ جائے گی، میں تو نہیں کر سکتا، میں پوری برادری کا خطرہ تو مول نہیں لے سکتا، میں اپنے تعلقات کو توڑ دوں؟قوت کی کمی ہے ۔کون سی قوت کی؟ رب سے تعلق کی قوت کی کمی ہے ۔ہمارے پاس ایک نعمت ہے،ایک موقع ہے کہ جناب ہم اپنے اردگرد جو احباب ہیں ان کو اس طرف لانے کا سبب بنیں،ہم ان سے پیار کریں،ہم ان کی دعوتیں کریں،ہم ان کو تحفے دیں، ہم اپنی تعلیم کی بات پہنچائیں، اس میں بنیادی بات اعلیٰ کردار ہے ۔ ان کو کردار دکھائیں ۔باباجی فرماتے ہیں کہ ہمارا تو طریقہ ہی نہیں ہے کہ منہ سے کہنا کہ ہمارے سلسلہ میں شامل ہو جاؤ۔کردار دکھانا ہے ۔کردار ملنا مشکل ہے ۔اقبالؒ نے بھی کہا ہے کہ

ملا کی شریعت فقط مستیٔ گفتار صوفی کی شریعت فقط مستیٔ احوال
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

مولوی جو ہے وہ گفتار میں مست ہے اور صوفی صاحب جو ہیں وہ اپنے ماحول میں مست ہیں ۔جو حال وارد ہوا، جو مراقبہ کیا، وہ اس میں مست ملنگ بنے ہوئے ہیں ۔آج کردار نایاب چیز بن چکی ہے ۔آپ اس طریقے کو اپنائیں،اللہ والوں کے پاس آئیں،آپ اللہ والوں کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کی کوشش کریں ۔آپ تھوڑی کوشش کریں گے اللہ برکت زیادہ دے گا۔آپ اپنے اردگرد رہنے والے دو چار افراد سے اللہ کے واسطے رابطہ کریں ۔آپ اپنی ذات میں حرکت پیدا کریں ۔یہ نہ سمجھیں کہ یہ کسی ایک فرد کے کرنے کا کام ہے،یا صرف باباجی کے کرنے کا کام ہے ۔یہ ہم سب کے کرنے کا کام ہے ۔اس کی ڈیوٹی رب نے لگائی ہے،اس کی

ڈیوٹی بابا جان نے لگائی ہے کیونکہ آپ داعی الی اللہ ہیں۔اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔جنہوں نے یہ کام نہ کیا تو ان کو کسی نہ کسی صورت میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔بہر حال اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے، پھر بھی تھوڑا جھنجوڑنے کے بعد بندوں پر اپنی رحمت کر دیتا ہے۔لیکن ہمارے لئے اس میں سبق ہے کہ اگر ہم اللہ کی دی ہوئی جسمانی، روحانی، اور ہر قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں تو ہم اس کا حق بھی ادا کریں۔سب سے پہلے یہ کہ ہم اس سلسلے کی تعلیم کو آگے پہنچانے کا سبب بنیں، ہم اپنے Relations کو اللہ کیلئے استعمال کریں نہ کہ ذاتی مفادات کیلئے۔ اگر ہم اپنے ذاتی کام کیلئے جو بندہ دو چار دفعہ ملا ہے اس کے پاس جا سکتے ہیں تو کیا ہم رب کیلئے نہیں جا سکتے؟ ہمیں اپنی زندگیوں کے اندر تھوڑا سا اس پہلو کو بھی لانا چاہیے کہ میری زندگی میں تھوڑا سا جو ٹائم ہے وہ میں رب کیلئے بلکہ دوسرے لفظوں میں اپنے آپ کیلئے دوں اور میں لوگوں کو اس طرف لانے کا سبب بنوں۔خود بھی اپنے کردار کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کروں۔یہ جو بات ہے کہ پہلے میں اپنی اصلاح کرلوں، بعد میں دوسروں کی کروں گا، اس کے متعلق بھی عرض ہے کہ آپ نیت اچھی رکھیں، اپنے عزم کو مضبوط رکھیں، اپنی کوشش میں خلوص پیدا کریں اور ساتھ ساتھ دعوت دیں تو اللہ تعالیٰ اس دعوت کی برکت سے آپ کے اندر تبدیلی پیدا کر دے گا۔اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال میں خلوص پیدا کرے۔آمین!

ہم کیسے عاشق ہیں

(جاوید چوھدری)

وارث شاہ نے 251 سال پہلے کیا خوب جواب دیا تھا، ہم لوگ صدیوں سے عشق کی تعریف تلاش کر رہے ہیں، ہم عشق کی ہیئت بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جواب کی توفیق صرف وارث شاہ کو بخشی، وارث شاہ نے ہیر کے منہ سے کہا ''رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی، سدو نی مینوں دھیدو رانجھا، ہیر نہ آکھو کوئی،'' یعنی میں رانجھا رانجھا کرتی خود رانجھا ہوگئی ہوں۔

مجھے اب کوئی ہیر کہہ کر مخاطب نہ ہو، مجھے اب دھیدو رانجھا کہنا شروع کر دیں۔ عشق ایک ایسی لگن، ایک ایسی عادت ہوتی ہے جو عاشق کو محبوب جیسا بنا دیتا ہے، وہ عشق جو عاشق کو محبوب جیسا نہ کرے وہ عشق نہیں ہوتا وہ دھوکہ ہوتا ہے اور ہم عشق کے ٹھیکیدار ہمیشہ عشق رسول ﷺ کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ہم میں اپنے رسول ﷺ کی ایک بھی عادت موجود نہیں۔

آپ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ ملاحظہ کیجیے، ہمارے رسول ﷺ نے پوری زندگی جھوٹ نہیں بولا، اونچی آواز میں بات نہیں کی، کسی کی طرف نفرت سے نہیں دیکھا، غرور نہیں کیا، کسی کو گالی نہیں دی، کسی کو بددعا نہیں دی، کسی کا دل نہیں توڑا، کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، کوئی عہد کوئی سمجھوتہ نہیں توڑا، کوئی درخت نہیں کاٹا، کوئی راستہ نہیں روکا، کسی جانور کو پتھر نہیں مارا، کسی جائز بچے کو ناجائز نہیں کہا، کسی حکومت کی رٹ کو چیلنج نہیں کیا، کسی کافر سے بھی منہ نہیں موڑا۔

آپ زندگی میں عیسائیوں سے بھی ملتے رہے اور یہودیوں کے ساتھ بھی ملاقات کرتے رہے، آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کے دروازے غیر مسلموں کے لیے بھی کھلے رکھے، آپ ﷺ نے پوری زندگی کافروں کے احسان بھی یاد رکھے، پوری زندگی عورتوں کا احترام کیا،

پوری زندگی بچوں سے پیار کیا، پوری زندگی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا، پوری زندگی خود کو متقی اور دوسروں کو گناہ گار قرار نہیں دیا، اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن ابی کو منافق اعظم قرار دیا۔

مسجد ضرار گرانے کا حکم دے دیا لیکن جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو ہمارے رسول ﷺ نے نہ صرف اس کا جنازہ پڑھایا بلکہ اس کی تدفین کے لیے اپنا کرتہ مبارک بھی عنایت کیا اور کثرت سے اس کی مغفرت کے لیے دعا بھی فرمائی۔ طائف کے لوگوں نے پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا، ہمارے رسول ﷺ کی نعلین مبارک میں خون جم گیا، حضرت جبرائیل آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ ملک الجبال (پہاڑوں کی نگرانی پر مقرر فرشتہ) موجود ہیں، آپ حکم دیجیے یہ تعمیل کریں گے

ملک الجبال نے عرض کی، مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، آپ جو چاہیں حکم کریں، میں تعمیل کروں گا، آپ حکم دیں پہاڑوں کو ملا کر ان تمام بے ادب اور گستاخوں کو پیس ڈالوں؟ فرمایا نہیں، یہ نہیں تو ان کی آنے والی نسلیں اسلام قبول کریں گی، محمد بن قاسم طائف کی آنے والی اسی نسل کا باشندہ تھا، طائف بچ گیا، محمد بن قاسم کے آبا و اجداد بچ گئے اور آخر میں ہندوستان کے لوگ کفر سے بچ گئے۔ آپ نے مکہ کے ان لڑکوں کو بھی سینے سے لگالیا جو آپ پر پتھر برساتے تھے۔

آپ نے ان لوگوں کو بھی معاف فرما دیا جو کعبہ کے سائے میں آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال جاتے تھے، آپ کی صاحبزادیاں آکر وہ اوجھڑی اتارا کرتی تھیں، وہ روتی جاتی تھیں اور آپ کا سر مبارک دھوتی جاتی تھیں اور آپ آخر میں ان کا ماتھا چوم کر فرماتے تھے غم نہ کرو اچھا وقت بھی آئے گا، ہمارے رسول ﷺ نے پوری زندگی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا، چندہ جمع نہیں کیا، کپڑوں کا تیسرا جوڑا نہیں بنایا، ، پوری زندگی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، کبھی دانت صاف کیے بغیر نہیں سوئے۔

آپ نے وصال سے پہلے بھی مسواک فرمائی، کسی کا حق نہیں مارا، کبھی گندے کپڑے نہیں پہنے، بدن اطہر سے کبھی بو نہیں آئی، کبھی پکا مکان نہیں بنایا، پوری زندگی کسی غلام، کسی خادم کو

نیند سے نہیں جگایا، کسی کو اوئے نہیں کہا، کبھی کسی غیر محرم کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، گلی یا سڑک کے درمیان میں نہیں چلے، کبھی گند نہیں پھیلایا، کبھی راستے میں نہیں بیٹھے، کبھی لوگوں کے معاملات زندگی میں مداخلت نہیں کی کبھی کسی کے خدا، کسی کے مذہبی رہنما کو برا نہیں کہا۔

آپ نے پوری زندگی بتوں کو بھی گالی نہیں دی، کسی کا حق نہیں مارا، کسی کا قرض نہیں دبایا، پوری زندگی ممتاز ہو کر نہیں بیٹھے، حاتم طائی کی صاحبزادی بھی قیدی بن کر آئی تو اس کا اٹھ کر استقبال کیا، غزوات میں بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی، دشمن کے بچوں کو قتل نہیں کیا، کسی عورت پر تلوار نہیں اٹھائی، میدان جنگ میں بھی درخت نہیں کاٹا، زخمی دشمن کو قتل نہیں کیا، پوری زندگی امانت میں خیانت نہیں کی۔

کسی شخص کو زبردستی نماز نہیں پڑھائی، کسی کو روزے کے لیے مجبور نہیں کیا، کسی کو جبراً داڑھی نہیں رکھوائی، کسی کو زبردستی عمامہ نہیں باندھا اور کسی کو جبہ پہننے پر مجبور نہیں کیا، کوئی بازار بند نہیں کرایا، کوئی میلہ نہیں رکوایا اور کسی کے ہنسنے، کھیلنے اور خوش ہونے پر پابندی نہیں لگائی، کبھی کم نہیں تولہ، کبھی کم نہیں ناپا، کبھی دودھ میں پانی نہیں ملایا، کبھی خوراک اور ادویات میں ملاوٹ نہیں کی، کبھی رقم جمع نہیں کی اور کبھی کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی نہیں کی۔

آپ ﷺ جس سے بھی ملے مسکرا کر ملے، جس کو بھی رخصت کیا کھڑے ہو کر گرم جوشی سے رخصت کیا، جس کو دیکھا اس کو اہمیت دی، جس نے پوچھا اس کو پورا سمجھایا، پورا بتایا، گستاخوں کی گستاخی کو مسکرا کر اگنور کر دیا، نفرت کرنے والوں کی نفرت کو ہنس کر ٹال دیا، کانٹے بچھانے، کوڑا پھینکنے والوں کی عیادت کی، گرے ہوئے پروا نہیں ہونے دیا۔

حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبانے اور خود کو ابتر کہنے والوں کو بھی معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ نے بھی جہاں بس اور بس فرما دیا آپ ﷺ نے وہاں بھی شفقت اور محبت کا سلسلہ نہیں ٹوٹنے دیا، آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو تکلیف دینے والوں کو بھی معاف کر دیا اور کعبے کے دروازے بند کرنے والوں کے سر پر بھی ہاتھ رکھ دیا۔

آپ نے پوری زندگی اپنا کام خود کیا، اپنے کپڑے مرمت کیے، جھاڑو دیا، اپنے جوتے گانٹھے، جانوروں کو چارہ کھلایا اور اپنا بستر خود سیدھا کیا، پوری زندگی سادہ خوراک کھائی، فاقے بھی کاٹے، دھوپیں بھی سہی اور سردیاں بھی برداشت کیں، آپ کی چھت بھی ٹپکی اور صحن میں کیچڑ بھی ہوا، لوگوں نے آپ کے مال پر بھی قبضہ کیا اور آپ ﷺ نے پوری زندگی لوگوں کے طعنے بھی سہے، آپ ﷺ نے پوری زندگی خوش حالی نہیں دیکھی اور آپ ﷺ کو پوری زندگی نرم بستر نہیں ملا۔

ہم اگر اس رسول ﷺ کے عاشق ہیں تو پھر ہم میں ان کی کون سی خوبی موجود ہے، کیا ہماری زبانیں اور ہمارے ہاتھ کنٹرول میں ہیں، کیا ہمارے دل نفرت اور کدورت سے پاک ہیں، کیا ہم مال و دولت اور خوش حالی کی علتوں سے ماورا ہیں، کیا معاف کرنا، خدمت کرنا اور دوسروں کی مدد کرنا ہماری روٹین ہے، کیا ہم اپنی اور اپنے ماحول کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں، کیا ہماری زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں، کیا اعتدال ہماری زندگی ہے، کیا ہم ہاتھ منہ اور پیٹ روک کر کھانا کھاتے ہیں، کیا ہم نے غرور، حسد اور غصے کے جذبے ختم کر لیے ہیں۔

کیا ہمارا سینہ اتنا چوڑا اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ ہم عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کو سینے سے لگا لیں، کیا ہم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو عزت اور محبت دیتے ہیں، کیا ہم پانی کی پاکیزگی اور درختوں کی تراوت کی حفاظت کرتے ہیں، کیا ہم امن کو جنگ اور محبت کو نفرت پر فوقیت دیتے ہیں، کیا ہم گورے اور کالے، عربی اور عجمی اور امیر اور غریب دونوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں، کیا ہم جھوٹ، منافقت اور فریب سے مبرا ہو چکے ہیں، کیا ہم نے تصنع اور بناوٹ کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔

کیا ہم اپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں، کیا ہمارے چہروں پر ہر وقت مسکراہٹ اور ہمارے ہاتھوں میں ہر وقت گرمی رہتی ہے، کیا ہمارے دستر خوان وسیع اور اختلافات کے دفتر چھوٹے ہو چکے ہیں، کیا ہم ہمسایوں کے حقوق ادا کر رہے ہیں، کیا ہم بنیادی انسانی حقوق کی

عزت کر رہے ہیں، کیا ہم راستوں ، گلیوں اور شاہراہوں کی حرمت کا خیال رکھ رہے ہیں اور کیا ہماری نگاہیں صاف اور زبانیں پاک ہیں؟ خدا کی قسم نہیں، ہم دنیا کی ایسی بدترین قوم ہیں جس کے ہاتھ، زبان اور شر سے اپنے محفوظ ہیں اور نہ ہی پرائے، ہم کلمہ پڑھ کر دوسروں کو گالی دیتے ہیں۔

ہم منبر رسول پر بیٹھ کر دوسروں کو کافر قرار دیتے ہیں، ہم قرآن اور احادیث سے نفاق کی پنیری نکال لیتے ہیں، ہم نماز پڑھتے ہیں اور پھر اٹھ کر دوسرے نمازی کو قتل کر دیتے ہیں، ہم مسجدوں ، درگاہوں اور مزاروں کے چندے کھا جاتے ہیں اور ہم کبھی ڈبل شاہ اور کبھی مفتی مضاربہ بن کر لوگوں کی کمائی لوٹ لیتے ہیں لیکن ہم اس کے باوجود عشق رسول کے دعوے دار بھی ہیں، ہم سچے عاشق رسول ﷺ بھی ہیں؟ ہم کیسے عاشق ہیں جن میں اپنے محبوب کی ایک بھی خوبی ،ایک بھی صفت موجود نہیں، ہم کیسے عاشق ہیں، ہم گالی بھی دیتے ہیں، راستے بھی روکتے ہیں، ڈنڈے بھی دکھاتے ہیں اور عشق رسول ﷺ کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔

ہم قیامت کے دن اپنے رسول ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس

رزق

(واصف علی واصفؒ)

مخلوق کے خالق کا دعویٰ ہے کہ وہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کا کفیل ہے۔ اس میں سب مخلوق شامل ہے۔انسان، حیوان، کیڑے،مکوڑے،مرغ و ماہی غرضیکہ ہر ذی جان اور ذی روح بغیر کسی استثنا کے۔

رزق صرف یہی نہیں کہ جیب میں مال ہو، بلکہ ہماری ہر صفت رزق ہے اور ہماری ہر استعداد رزق ہے۔ بینائی رزق ہے، گویائی رزق ہے، خیال رزق ہے، احساس رزق ہے، سماعت رزق ہے، وجود کی طاقت اور لطافت رزق ہے، غم رزق ہے، خوشی رزق ہے، علم رزق ہے ،محبت رزق ہے، حسن رزق ہے، ذوقِ جمال رزق ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایمان بھی رزق ہے۔

اس ہمہ رنگ رزق کے نزول اور حصول کے عمل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خالق کا دعویٰ کسی اور دلیل کا محتاج نہیں۔ وہ ایسا رازق ہے کہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کا انتظام کر چکا ہوتا ہے۔

آسمانوں سے مصفا اور مطہر پانی کی بارش کرنے والا خالق رزق کی ترسیل کے وسیع سلسلے رکھتا ہے۔انسان سمجھ نہیں سکتا۔آج کا انسان جھگڑالو ہو گیا ہے۔وہ تسلیم سے حاصل ہونے والی تعلیم سے محروم ہو چکا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ رزق کے وسیع و عظیم پھیلاؤ کو دیکھتا تو ہے سمجھتا نہیں۔

بارش کے ساتھ رزق کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ بارش کو ہی رزق کہہ دیا جاتا ہے۔بارش کے ہونے سے ہی رزق کے چشمے بلکہ سرچشمے جاری ہو جاتے ہیں۔پہاڑوں اور جنگلوں میں

اُگنے والے ایک معمولی درخت کو دیکھیں، رزق سے بھرپور ہے۔ اس کی شاخیں پرندوں کا بسیرا ہیں۔ لکڑی طویل سلسلہ ہے رزق کا، جلانے والی ہو تب بھی لکڑی رزق ہے، عمارتی لکڑی تو سبحان اللہ۔ رزق ہی رزق ہے۔ فرنشنگ ہاؤس، شوروم، فرنیچر، گاڑیاں رزق کمانے والوں اور رزق کھانے والوں کے لئے نعمت ہے۔ درخت کی لکڑی نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ درخت بارش کی عطا ہے، بارش خالق کا عمل ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ رزق آسمان سے نازل ہوتا ہے، دلیل یہ کہ بارش میں صفتِ رزاقی ہے۔ زمین سے اگنے والے اناج کو بارش سے جو تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جاندار زمین سے اُگنے والی اجناس پر پلتے ہیں، مویشیوں ہی کو لیجیے تازہ دودھ کی نہریں ہیں۔ تازہ گوشت کا نہ ختم ہونے والا اسٹور، صحت مند گوشت، جس پر انسانی صحت کا دارومدار ہے۔ مویشیوں کی کھالیں کیا کیا رزق مہیا کرتی ہیں کسی ٹیری سے معلوم کریں۔ مویشیوں سے لباس، جوتے بار برداری اور نہ جانے کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔ ان کی رزاقانہ افادیت پر مکمل تبصرہ خارج از امکان ہے۔

جانور، جانوروں کا رزق ہیں، انسان کا رزق ہیں۔ یہاں تک کہ مرا ہوا جانور بھی گدھ کا رزق ہے۔ گدھ مردار پر پلتا ہے، شاہین زندہ شکار سے اپنی زندگی برقرار رکھتا ہے۔ پروردگار کے کام ہیں۔ شاہین اور شیر کی خوراک کو زندگی دے کر محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اگر آسمانوں سے مینہ نہ برسے، تو رزق کی داستان ختم سی ہو کر رہ جائے۔ سائنس کی ترقی کے باوجود رزق کا نظام معیشت و معاشیات تقسیم دولت کا سارا نظام بارش کے ختم ہونے سے ختم ہو جائے گا۔ بارش کے دم سے سوتی اور اُونی کپڑے کی ملیں چل رہی ہیں، بارش نہ ہو تو نہ اون نہ کپاس، نہ خوراک، نہ لباس۔

بارش کی کمی سے بجلی کا نظام بحران کا شکار ہوتے دیکھا گیا ہے۔ رزق کی تقسیم و ترسیل کا نظام آسمان سے برسنے والے پانی پر ہے۔ پانی کی کمی سے قحط سالی اپنے ظالم جبڑوں میں انسان کو دبوچ لیتی ہے۔ یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ بارش منشائے الٰہی ہے اور یہ عطائے رحمانی بغیر کسی

معاوضے کے ہے۔

انسانی آنکھ کوقدرت نے بینائی کا رزق عطاء کیا اور اس بینا آنکھ کے لئے نظاروں کے خزانے موجود ہیں۔کائنات کے منور مناظر انسان کی ضیافت نگاہ کا سامان ہیں۔کہساروں سے ریگزاروں تک نظر کا رزق نظاروں کے حُسن میں پھیلا دیا گیا ہے۔یہ سب بغیر معاوضے کے ہے۔

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مشرق سے طلوع ہونے والا سورج رزق کے خزانے بکھیرتا ہوا مغرب میں غروب ہوتا ہے اور پھر رات ایک الگ قسم کا رزق راحتِ جان کے لئے تقسیم کرتی ہے ۔پُرسکون نیند ایک عظیم دولت ہے،مفت ملتی ہے،اس پر کروڑوں روپے نثار۔سورج پھلوں کو رس عطاء کرتا ہے،چاند مٹھاس بخشتا ہے،ستارے صاحبانِ فکر کو دولتِ افکار سے مالا مال کرتے ہیں، غرضیکہ اس کائنات کا ہر موسم اور ہر لمحہ کسی نہ کسی انداز سے رزق تقسیم کرتا ہی رہتا ہے۔

انسان کا رزق اسکے اپنے وجود کے کسی حصے میں پنہاں ہوتا ہے اس صلاحیت کو دریافت کرنا ہی انسان کا فرض ہے۔اس کے بعد حصولِ رزق کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔کچھ لوگوں کا رزق ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ان کی ذہنی صلاحیت رزق بنتی ہی چلی جاتی ہے۔یہ صاحبانِ فکرو فراست اپنی اور دوسروں کی معیشت کو استوار کرتے ہیں۔دنیا کو علم وادب سے نوازتے ہیں اور رزق ان کے ذہن کو سلام کرنے کے لئے حاضر رہتا ہے۔کچھ انسانوں کا رزق ان کے گلے میں ہوتا ہے۔سریلا،رسیلا نغمہ یوں بھی رزق ہے۔یوں بھی گلوکار کا گلا سونے کی کان سے کیا کم ہوگا۔ اس نغمگی سے کتنے اداروں اور کتنے افراد کا رزق وابستہ ہے،صاحب آواز کے ساتھ صاحبِ ساز کو بھی نواز دیا جاتا ہے۔

مزدوروں اور ورکروں کا رزق ان کے بازوؤں میں ہے،جسمانی طاقت،جو قدرت کی عطا ہے،ذریعہ رزق بھی ہے ہاتھ چلتے ہیں اور پیٹ پلتے ہیں،کاسب کا رزق کسب میں ہے۔ کاسب امیر ہو یا غریب وہ اللہ کا دوست ہے۔

کچھ مما لک میں جنسیات بھی معاشیات کا ایک حصہ ہے،گمراہی ہے لیکن رزق سے

وابستہ ہے، گناہ تو ہے لیکن رزق کا ذریعہ ہے۔

اس مقام پر مذہب انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔مذہب بتاتا ہے کہ حلال کیا ہے، حرام کیا ہے۔ جائز کیا ہے، ناجائز کیا ہے۔ثواب کیا ہے، عذاب کیا ہے، کرم کیا ہے ستم کیا ہے۔ مذہب غور کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ آخر رزق کی ضرورت کیا ہے۔زندگی گزارنے کے لئے رزق چاہیے۔

ماں کی گود سے قبر تک کا سفر ہے۔کتنا زادِراہ چاہیے؟

ہم مال بڑھاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ زندگی کم ہوتی جارہی ہے۔سانس کی آری ہستی کا شجر کاٹ رہی ہے۔زندگی برف کی سل کی طرح پگھلتی ہی چلی جارہی ہے۔یہ پونجی گھٹتی جارہی ہے۔دولت موت سے نہیں بچاسکتی۔

سانس بند ہوجائے تو رزق کی تمام افادیت ہمارے لئے ہمیشہ کیلئے ختم ہوجاتی ہے۔ جائز ضروریات کو ناجائز کمائی سے پورا کرنا حماقت بھی ہے اور گناہ بھی۔رشوت کے مال پر پلنے والی اولاد لازمی طور پر باغی ہوگی، بےادب ہوگی، گستاخ ہوگی۔دوہرا عذاب ہے۔عاقبت بھی برباد اور اولاد بھی برباد۔

"تکاثر زر" نے انسان کو اتنا غافل اور اندھا بنا دیا ہے کہ اس کی آنکھ بند ہونے سے پہلے کھل ہی نہیں سکتی۔انسان دولت کے حصول کی خواہش میں پاگل سا ہوگیا ہے۔دولت زندگی کے لئے ہے، لیکن آج کی زندگی صرف دولت کے لئے ہے۔

سوچنا چاہیے کہ صرف پیسہ ہی رزق نہیں ہے، ایک قسم کا رزق حاصل کرنے کیلئے دوسری قسم کا رزق ضائع کرنا کم عقلی ہے۔دین کو دے کر دولتِ دنیا حاصل کی، تو بھی کس کام کی؟ وطن چھوڑ کر پیسہ لیا تو کیا لیا؟ جہنم میں لے جانے والی دولت سے وہ غریبی بہتر ہے جو جنت کی راہ دکھائے۔

خیروشر کا شعور نہ ہو، تو امیر غریب کی بحث عبث ہے، کائنات میں دولت کی یکساں تقسیم

کی خواہش ایک ایسا خواب ہے، جو اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا جب تک کوے اور مور کو ایک جیسے پر نہیں ملتے یا شیر اور گیدڑ کو ایک جیسا مزاج نہیں ملتا۔

اچھا امیر بہت اچھا ہوتا ہے، بُرا غریب بہت بُرا ہوتا ہے جو اپنے مال سے اپنے محروم بھائی کی خدمت کرے، برا غریب وہ ہے جو دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے حاصل کرنا چاہے یعنی چوری، ڈاکہ، رشوت کے ذریعے سے۔

آزادی پرواز رزق ہے۔سونے کا قفس ملے، تو بھی قبول نہیں کرنا چاہیے۔

یہ زندگی محدود ایام کے لئے ہے۔ پاکیزہ رزق کی تلاش کرنی چاہیے، بلکہ اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ ہمارا رزق ہمیں ضرور ملے گا جیسے ہمیں ہماری زندگی ملی ہے، بینائی ملی ہے گویائی ملی ہے اور جیسے ایک دن ہمیں موت سے ملنا ہے۔

جو ہماری جان کا محافظ ہے، وہی ہمارے رزق کا ضامن ہے، رزق دینا رازق کا عمل ہے۔ یہ اس کا دعویٰ ہے جس نے سورج، چاند، ستاروں کو نورانی رزق عطا کیا ہے، جس نے پہاڑوں کو استقامت دی ہے، دریا کو روانی دی ہے، گلوں میں رنگ بھرے ہیں، موسموں کو خوئے انقلاب عطا کی ہے۔ بیج کو مٹی کی تاریکی میں پالنے والا انسان کو کیوں نہ پالے گا؟

صبر استقامت کا مقام ہے۔ اپنی غریبی کی توہین نہیں کرنی چاہیے۔ اپنے مال کو عذاب نہ بنایا جائے۔ حق والے کو حق دے دیا جائے اور اپنی عاقبت کی فکر کی جائے عاقبت آنے والا لمحہ ہوسکتا ہے۔

احترام آدمیت (گزشتہ سے پیوستہ)

(اشفاق احمد)

تو میں جس چھوٹے بچے کا ذکر کر رہا تھا، کوئی تقریباً ایک ہفتے کے بعد اس کا باپ ہمارے ڈیرے پر وہیں آیا، بابا جی کے پاس اور کہنے لگا، میرا بیٹا گھر سے بھاگ گیا ہے۔ برا حال، رو رہا تھا، اور چاروں طرف پولیس کو اطلاع دی ہے، اخباروں میں اشتہار دیا ہے، سلائیڈیں چلائیں، ٹیلی ویژن پر اس کا اعلان کیا، ، لیکن اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا، اور وہ میرا نورِ نظر ہے۔ اس کی ماں کی ظاہر ہے اور بھی بری حالت ہوگی ، بابا جی نے کہا، وہ تو یہاں آیا تھا۔ ہاں کچھ شکایت کرتا تھا، لیکن وہ اتنا دکھی تھا کہ ہمارے قابو نہیں آسکا۔ ہم نے بہت بہلانے اور پھسلانے کی کوشش کی وہ بیچ میں سے کھسک کر نکل گیا۔ اس نے کہا، جی ہوا کیا، کوئی خاص بات تو ہوئی نہیں، ایسے ہی وہ حساس تھا اور ناراض ہوگیا بغیر سوچے سمجھے۔ بات یہ تھی کہ اس نے امتحان دیا، اس میں اس کے کچھ کم نمبر تھے۔ جیسے ہوتا ہے بچوں کے ساتھ۔ تو سارے اس کو گھر میں عزیز رشتے دار موٹو کہہ کر پکارتے تھے۔ موٹو اس کا نام رکھا ہوا تھا۔ نک نیم جیسے ہمارے گھروں میں بے ہودہ چیز ہوتی ہے، تو اس کو موٹو کہہ کر پکارتے تھے۔ تو وہ برداشت کرتا تھا۔ میرے ساتھ اس کا پیار تھا، جیسے باپ کے ساتھ بچے کا پیار ہوتا ہے، تو شام کو میں آیا تو مجھے پتا چلا کہ اس کے نمبر کم آئے ہیں، سیکنڈ ڈویژن میں اس نے پاس کی چوتھی۔ تو میں نے اس سے کہا ، او موٹو تیرے نمبر کم آئے ہیں۔ کہنے لگا، میں نے پہلی دفعہ اس کو موٹو کہا، سات سو آدمیوں کے موٹو کہنے سے وہ مائنڈ نہیں کرتا تھا، برا نہیں سمجھتا تھا، لیکن صرف ایک میرے کہنے سے اس کو اللہ جانے کیا ہوا ، اس نے اس کو برداشت نہیں کیا ، اور وہ گھر سے بھاگ گیا۔ سات آٹھ دن ہو گئے ہیں ، ہم اس کو تلاش کرتے پھرتے ہیں ، پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ تو یہ نمبروں کی کمی ، اور اس کی تضحیک اور تذلیل۔ خدا کے واسطے میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ انسان کی تذلیل نہ کیا کریں ہمیں اس کا حکم نہیں ہے۔

ہم کسی کو ایسے ہی نام سے پکار دیتے ہیں، ایسے ہی برا بھلا کہہ دیتے ہیں، کچھ نک نیم رکھے ہوتے ہیں نا، ایسا بالکل نہ کریں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پورے کا پورا ایک جیسا پیدا کیا ہے۔ یہ زندگی جو لے کر آپ پیدا ہوئے ہیں یہ آپ کی محنت، کوشش، جد وجہد سے نہیں ہوئی، یہ جو آپ لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، یہ تو اللہ کی عطا ہے، اگر آپ یہ کہیں کہ بڑی بھاگ دوڑ کی، پھر میں پیدا ہوا، اور میں نے بڑی کوشش کی، یہ غلط ہوگا۔

سب سے بڑی نعمت تو آپ کو مفت ملی ہوئی ہے۔ یہ زندگی، اور دوسرے کو بھی ایسی ہی زندگی ملی ہے۔ اب ہم کو بھی اس بات کی بڑی فکر ہوئی۔ وہاں مشترکہ دعا ہوئی سارے لوگ بڑے غمناک ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کی کہ اللہ اس کو صحیح وسلامت رکھے اور جہاں بھی ہے، وہ واپس آئے، اور یہ کوتاہی جوان صاحب سے، اس باپ سے ہوئی دوبارہ نہ ہو۔ کہنے لگے آپ تو سمجھدار آدمی ہیں، سیانے آدمی ہیں، یہاں آتے رہتے ہیں، کچھ کام کی باتیں آپ کے کان میں پڑتی رہتی ہیں۔ پڑتی رہی ہوں گی۔ آپ تو یہ لفظ نہ استعمال کریں جس طرح آپ پستول کو صاف کرتے ہیں اور گولیوں کو ایک طرف رکھ لیتے ہیں، اسی طرح آپ گفتگو کیلیے جب اپنا منہ یا دل استعمال کریں، تو دیکھیں کون سی گولی چلائی ہے، کون سی نہیں چلائی، آپ کے اردگرد اگر آپ کے پیارے بیٹھے ہیں خدا کے واسطے اس چیمبر کی طرف ضرور دیکھیں۔ یہ لڑکیاں بے خیالی میں کوئی باتیں کر جائیں، اب یہ بڑی ہوں گی نا، تو ان کی شادیاں ہوتی ہیں، تو انہوں نے اپنی وہ کیا ہوتی ہیں نندیں، اور ساسیں ان کے خلاف کیا کیا کچھ باتیں کر دیتی ہیں۔ پہلے تو چھپ کر کرتی تھیں، اب تو سیدھے منہ پر ہی کر جاتی ہیں۔ تو پھر جو ظلم ہوتا ہے، ان کی ذات پر بھی اور ان بے چاری بوڑھیوں پر بھی اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔ پھر ہم نے دعا مانگی کہ یا اللہ تو مہربانی فرما اور وہ بہت پیارا، اور خوب صورت بچہ تھا تو اس کو واپس لا دے، پھر ہمارے بابا نے یہ کہا، یا اللہ آئندہ زندگی میں اس کو نمبر بھی زیادہ ملتے رہا کریں، اگر یہی بات ہے کم بخت زندگی میں تو اس کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہم بہت غمناک ہوئے۔ آپ سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ جب

آپ الفاظ کا استعمال کریں تو دیکھیں یہ گولیاں ہیں، جو آپ نے چیمبر میں ڈالی ہوئی ہیں، اور یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ انہیں چلانا ہے یا نہیں چلانا ہے۔ ہمارے ملک میں، خاص طور پہ میں محسوس کررہا ہوں، میرے پیارے ملک میں، جو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے، لوگ جو ہیں وہ ایک دوسرے کا مان نہیں کررہے ہیں، اور ان کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہو رہا کہ دوسرے لوگ جو ہیں ان کے اندر بھی جذبات ہیں، وہ بھی کچھ ہیں۔ Competition میں اور مسابقت، اور مقابلے سے آپ کو روکا گیا ہے اور تقویٰ، نیکی، اچھائی کے لیے آپ کو ابھارا گیا ہے کہ ہاں یہاں پہ جتنا ایک مقابلہ ایک دوسرے کا کر سکتے ہیں کرو۔ راز اس میں یہ ہے کہ تقویٰ میں اچھائی میں، نیکی میں، جب آپ اپنے مدِ مخالف کے ساتھ مقابلہ کریں گے تو ہمیں نیچے ہو کر دیکھنا پڑے گا، جوں جوں آپ نیچے ہوں گے، جتنی آپ عاجزی کریں گے، جتنا آپ جھکیں گے، اتنے آپ تقویٰ میں اونچے ہوں گے۔ جتنا تکبر کریں گے، جتنا اونچائی میں جائیں گے، جتنی شیخی بگھاریں گے، اتنا ہی آپ کا مسئلہ جو ہے وہ ایک مختلف روخم اختیار کرتا چلا جائے گا۔ ہاں آپ ضرور competition کریں۔ میں competition سے منع نہیں کرتا، میرا دین competition سے منع نہیں کرتا، لیکن صرف تقویٰ کی حد تک لازم ہے، اخلاقی زندگی بسر کرنے کی نیکی اختیار کریں۔

تقویٰ جس میں وہ competition ہو، جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، تو وہ آپ کا طرہ امتیاز نہیں ہونا چاہیے کسی بھی صورت میں کسی بھی حال میں۔ آپ نے نام سنا ہوگا، حضرت جنید بغدادیؒ کا۔ سب سے بڑے ہمارے صوفی، ان سے ابتدا ہوئی جس کو کہتے ہیں ٹُرھ لگا، لیکن وہ صوفی نہیں تھے وہ خلیفہ بغداد کے دربار میں ایک پہلوان تھے۔ ایک بہت بڑے ریسلر تھے، جیسے آپ کے یہاں گاما پہلوان تھا۔ جنید بغدادی بھی مشہور تھے، اتنے بڑے پہلوان کہ کوئی ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن وہ دربار میں بیٹھے تھے اور خلیفہ بھی تھا وہاں ایک دبلا پتلا کمزور سا آدمی مریل سا فاقہ زدہ بے چارہ شکل و صورت کا بہت پیارا، اور

بہت اچھا، آیا اور خلیفہ وقت سے کہنے لگا کہ اے خلیفہ میں جنیدؒ کے ساتھ کشتی لڑنا چاہتا ہوں۔ تو جتنے دربار میں لوگ بیٹھے تھے، ہنس پڑے۔ کہنے لگے کیا پدی کیا پدی کا شوربہ، تو شکل دیکھ اپنی اور اپنا وجود دیکھ، اور تو اتنے بڑے پہلوان کے ساتھ کشتی کرے گا! اس نے کہا، نہیں جناب مجھے کچھ داؤ ایسے آتے ہیں، کچھ چیزیں میں ایسی جانتا ہوں جو اور پہلوان نہیں جانتے، اور ہمارے پاس کچھ خاندانی گر ہوتے ہیں نا، وہ داؤ میں لگاؤں گا اور آپ کا جو اتنا بڑا نامی گرامی رستم زماں ہے، یہ چاروں شانے چت ہوگا۔ حضرت جنیدؒ بھی یہ بات سن کر بہت حیران ہوئے، اور تھوڑا سا گھبرائے بھی، اللہ جانے ان کو کچھ ایسا راز آتا ہوگا تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔

چنانچہ وقت مقرر ہو گیا، جگہ طے کر دی گئی، اور خلیفہ وقت وہاں پہنچ گیا، سارے درباری اور بغداد کے سارے لوگ کہ یہ آج کیا ہونے لگا ہے، وہ بھی خم ٹھونک کے پڑ ہ، کمزور، دبلا، پتلا آدمی مشکل سے کھڑا ہو سکتا تھا، وہ بھی آ گیا میدان میں۔ اور اصل پہلوان جو تھے وہ بھی اپنا لنگر لنگوٹ کس کے آ گئے۔ تو اسنے ہاتھ بڑھایا، انہوں نے ہاتھ پکڑا، سلام کیا۔ ایک دوسرے سے ملے، سلامی لینا جسے کہتے ہیں، اور جب حضرت جنید بغدادیؒ کا مضبوط ہاتھ آگے بڑھا تو وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا، پھر اس نے ایک چھلانگ لگائی۔ دبلا، پتلا، کمزور سا آدمی جو تھا، وہ اچھل کر ان کے گلے لپٹ گیا، اب یہ تو کوئی داؤ نہیں ہے کہ آدمی اس کے گلے میں۔۔۔۔۔ جب لٹک گیا، تو ان کے کان کے پاس منہ کر کے کہنے لگا، میں سید زادہ ہوں، اور سات دنوں سے بھوکا ہوں، میرے پاس روزگار کا کوئی ذریعہ نہیں، یہ ڈھونگ میں نے اس لیے رچایا ہے۔ اے جنیدؒ تا کہ میں لوگوں کو دکھا سکوں کہ میری کوئی عزت ہے۔ جنید بغدادیؒ نے یہ سنا، اور زمین پر دھڑ کر کے گرے، اور اس سے ڈھے گئے وہ ان کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا، اور تالی بج گئی، دنیا حیران پریشان ہو گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے (جنید بغدادی) کہا کہ ٹھیک ہے۔ اس کو ایسا داؤ آتا ہے، جو دنیا میں کسی آدمی کو نہیں آتا، اور اس کے سامنے چت ہو گیا ہوں، یہ واقعی طاقتور ہے۔ وہ تو جناب خلیفہ نے جو بھی کچھ انعامات اکرام خلعت وغیرہ دینی تھی دی، اور حضرت جنید جو تو لیہ یا جو صافہ گلے میں تھا جھاڑتے

ہوئے کہہ رہے ہیں، اے اللہ میں نے زندگی میں کبھی کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا لیکن تیرے ایک بندے کی عزت رکھی ہے، اس کے بدلے میں مجھے بھی تو کوئی روحانی درجہ عطا فرما، جو تو اپنے بڑوں کو دیا کرتا ہے۔ تو وہ کامل ہوئے، اور ان کی جو تعلیم ہے، وہ یہی ہے کہ انسان کو کبھی بھی ذلیل، چھوٹا، حقیر نہیں جاننا۔ جوں جوں آپ ایسا جانیں گے، آپ کے درجات کم ہوتے جائیں گے۔ جوں جوں آپ حضرت جنید بغدادی کا رویہ اختیار کریں گے، آپ کے درجات بلند ہوتے جائیں گے

ہم سے غلطی یہ ہوتی ہے کہ ہم سوچے سمجھے بغیر پہلے تو کچھ بات منہ سے نکال دیتے ہیں، اور پھر اپنے تکبر میں اضافہ کرنے کے لیے اس چیز کو طرہ امتیاز بنا لیتے ہیں جو آپ کے کمال کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بچوں کے نمبر آ جانا، آپ کا خوش شکل ہونا، آپ کا چہرہ اچھا ہونا، آپ کی رنگت گوری ہونا، یہ محض عطائے خداوندی ہے۔ اس کو تم اپنی تلوار بنا کر لوگوں کی گردنیں نہ اتارتے رہو، اور خدانخواستہ اگر ایسا وقت آ گیا کہ صرف آپ ہی کی ذات اس کرہ ارض پر رہنے لگی تو آپ یا آپ کے بچے کو یہ زندگی گزارنی بڑی مشکل ہو جائے گی۔ خالی ساری ویران دنیا میں لوگوں کو آباد رہنے دیں، ان کے ساتھ ہنسنے کھیلنے دو۔ ہم چلتے چلتے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ بچہ مل گیا تھا، پھر ہم سارے اس سے معافیاں مانگتے رہے، اور اس میں، میں سب کو آپ کو بھی شامل کرنا چاہتا ہوں کہ جب بھی اس کی یاد آئے پتا نہیں وہ کہاں ہوگا، آپ بھی اس بات کی معافی مانگیں کہ اس کے باپ نے اسے موٹو کیوں کہا تھا۔ یہ ایک بری بات ہے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ آمین۔

اللّٰہ

آخرت کی کامیابی کیلئے قلب کی اصلاح ضروری ہے

(مواعظ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

تیری علیحدگی اور خدا سے غیر حاضر رہنے نے تجھ کو خدا کے ساتھ مغرور بنا دیا ہے، اپنے غرور سے باز آجا، اس سے پہلے کہ تجھ پر مار پڑے اور ذلیل کیا جائے، اور مسلط کر دیئے جائیں تجھ پر بلیات کے سانپ اور بچھو، تو نے بلا کا مزہ نہیں چکھا ہے، پس ضرور ہوا کہ مغرور بنے تو جو کچھ تیرے پاس ہے اس پر اِترا مت کہ یہ سب عنقریب جاتا رہے گا، اللہ عزّ وجل فرماتا ہے کہ:۔

یہاں تک کہ جب وہ اترائے اس مال و دولت پر جوان کو دی گئی تھی تو ہم نے اچانک ان کو پکڑلیا۔

جو نعمتیں اللہ پاک کے پاس ہیں ان سے بہرہ یابی صبر ہی کی بدولت ہو سکتی ہے، اور اسی لئے اللہ پاک نے صبر کی جگہ جگہ تاکید فرمائی ہے، فقر اور صبر دونوں جمع نہیں ہو سکتے مگر مومن کے حق میں، جو بندے محبّ ہوتے ہیں وہ تکلیفوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں، پس صبر کرتے ہیں اور ان کو نیک کاموں کا بلا کے ساتھ ساتھ اِلہام کیا جاتا ہے، اور جو نئی تکلیف ان کو ان کے ربّ کی طرف سے پہنچتی رہتی ہیں اور وہ اس پر جمے رہتے ہیں، ۔ در آنحالیکہ آنکھیں بند رکھی جاتی ہیں (کہ کہیں جانہ سکوں)، اور نصیحت سے آزاد انسانوں کو پابندِ شرع اور غلام حق بناتا رہوں، یہ تمہاری ہی مصلحت کے لئے ہے، مگر تم جانتے نہیں، اگر حق تعالیٰ کی موافقت (جو میرے ذمے فرض ہے) نہ رہتی تو کون عاقل ہے جو اس شہر میں بیٹھنا گوارا کرے اور اس کے باشندوں میں رہے، کہ عام طور پر اس میں ریاء نفاق اور ظلم و شبہار اور حرام کی کثرت ہے، حق تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکر گزاری اور نعمتوں سے فسق و فجور پر امانت حاصل کرنا بڑھا آئیں تو بڑے پرہیز گار بنیں، کھانے پینے میں زندیق اور منبر پر آویں تو گویا صدیق ہیں، (اگر حکم کا) پابند نہ ہوتا تو میں بتا دیتا جو کچھ تمہارے گھروں میں ہے، لیکن میرے لئے ایک بنیاد ہے، جس کو تعمیر کی ضرورت ہے اور میرے، بہت سے (روحانی) بچے ہیں جو تربیت کے محتاج ہیں (بس نصیحت و تبلیغ کی بنیاد پر اصلاح خلق کی تعمیر اور

مریدوں کی مکمل تربیت کے لئے مجھ کو پردہ پوش بنایا گیا ہے کہ لوگ خوفزدہ نہ ہوں، اور پاس آ کر منتفع ہوتے رہیں)۔ جو میرے پاس ہے اگر اس میں سے کچھ بھی کھول دوں تو وہ میرے اور تمہارے درمیان مفارقت کا سبب بن جائے گا، میں اس حالت میں جس کے اندر اس وقت ہوں انبیاء و مرسلین کی طاقت کا حاجت مند ہوں، مجھ کو ضرورت ہے ان کے سے صبر کی جو آدم (علیہ السلام) سے میرے زمانے تک گزر چکے ہیں، میں حاجت مند ہوں ربانی قوت کا، اے میرے اللہ! لطف و عنایت کر اور اپنی رضا نصیب فرما، آمین۔

تم دنیا میں رہنے اور یہاں کے مزے اڑانے کے لئے پیدا نہیں ہوئے ہو، حق تعالیٰ کی ناراضگیوں کی جس حالت میں تو مبتلا ہے اس کو بدلو تو نے اللہ کی اطاعت میں صرف لا الـٰـہ الا اللـہ محمد رسول اللہ کہہ لینے پر قناعت کر لی، حالانکہ جب تک اس کے ساتھ دوسری چیز (یعنی عمل کو) نہ ملائے گا یہ تجھ کو نافع نہ ہوگا۔ ایمان مجموعہ ہے قول اور عمل کا، ایمان نہ مکمل ہوگا اور نہ مفید جبکہ تو معصیتوں ولغزشوں اور حق تعالیٰ کی مخالفت کا مرتکب ہوگا اور اس پر اڑا رہے گا، اگر نماز روزہ اور صدقہ اور نیکیاں چھوڑ دے گا تو وحدانیت و رسالت کی محض گواہی کیا نفع دے گی؟ جب تو نے لا الہ الا اللہ کہا کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے تو (توحید کا) مدعی بن گیا، اب کہاں جائے گا بتا کوئی تیرا گواہ بھی ہے؟ وہ گواہ کیا ہے؟ حکم کا ماننا، ممنوعات سے باز رہنا، مصیبتوں پر صبر کرنا اور تقدیر کے سامنے سر جھکانا، یہ اس دعوے کے گواہ ہیں، اور یہ بھی حق تعالیٰ کے لئے اخلاص کے بغیر مقبول نہ ہوں گے، کیونکہ کوئی قول قبول نہیں ہوتا بغیر عمل کے اور کوئی عمل قبول نہیں ہوتا بغیر اخلاص اور سنت کی موافقت کے۔

اپنے مال سے جو کچھ ہو سکے فقیروں کی غم خواری کرو، اگر کسی چیز کے دینے کی طاقت ہو، خواہ ذرا سی ہو یا بہت سی ہو، سائل کو واپس نہ کرو، عطا کو محبوب سمجھنے میں حق تعالیٰ کی موافقت کرو اور شکر گزار بنو کہ اس نے تم کو اس کا اہل بنایا اور عطا پر قدرت بخشی، تجھ پر افسوس ہے جبکہ سائل اللہ کا ہدیہ ہے (جو تیرے پاس بھیجا گیا ہے) اور تو اس کو دینے پر قدرت بھی رکھتا ہے تو ہدیے کو

اس کے بھیجنے والے پر کس طرح رد کرتا ہے؟میرے پاس بیٹھ کر تو سنتا اور روتا ہے اور جب فقیر آتا ہے تو تیرا قلب سخت بن جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تیرا رونا اور کان لگانا خالص اللہ کے واسطے نہ تھا، میرے پاس بیٹھ کر سننا اوّلاً باطن سے ہونا چاہیے، پھر قلب سے اس کے بعد اعضاء کو نیکو کاریوں میں مشغول کرنے سے جب تو میرے پاس آیا کر تو ایسی حالت میں آیا کر کہ اپنے علم، عمل، زبان اور نسب حسب سے یکسو ہو اور رمال او راہل کو بھولا ہوا ہو، میرے سامنے بیٹھا کر ماسوٰی اللہ سے قلب کو برہنہ بنا کر یہاں تک کہ خدا اس کو اپنے قرب اور فضل و احسانات کا جامہ پہنائے، میرے پاس آنے کے وقت جب تو ایسا کرے گا تو پرند جیسا بن جائے گا جو صبح کا بھوکا اٹھتا اور شام کو پیٹ بھرا واپس آتا ہے (کہ خوانِ توکل سے بلا کسب شکم سیر ہوتا ہے)۔حق تعالیٰ کے نور سے قلب کو منور بنا اور اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

ڈر مومن سے اور اپنے معصیت کی گندگی میں لتھڑا ہوا اس کے پاس مت آ کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے اس حالت کو دیکھتا ہے جس میں تو ملوث ہے وہ دیکھتا ہے تیرے شرک کو، تیرے نفاق کو، وہ دیکھتا ہے تیری اس حالت کو جو تیرے کپڑوں کے نیچے چھپی ہوئی ہے، دیکھتا ہے تیری فضیحت کو اور ہتک والی بداعمالیوں کو، جو شخص اہل فلاح کو دیکھتا نہیں وہ فلاح نہیں پاتا، تو ابو الہوس اور تیرا میل جول بھی ابوالہوسوں کے ساتھ ہے،(کسی شخص نے شیخ سے سوال کیا کہ یہ اندھا پن کب تک رہے گا؟ تو آپؒ نے جواب دیا) جب تک تو کسی طبیب کے ہاتھ نہ پڑے اور اس کی چوکھٹ کو تکیہ نہ بنائے کہ اس کے متعلق اچھے گمان رکھے اور اپنے قلب سے اس کے لئے تہمت کو نکال پھینکے، اپنے بال بچوں کو لے کر اس کے دروازے پر جا بیٹھے اور اس کی دوا کی تلخی پر صبر کرے، پس اس وقت تیری آنکھوں سے اندھا پن جاتا رہے گا، اللہ عزوجل کے لئے ذلت اختیار کر اور اپنی ساری حاجتیں اسی پر پیش کر، کوئی عمل اپنے نفس کے لئے مت کر اس سے ملاقات کر افلاس کے قدموں پر مخلوق کے دروازوں کو بند کر دے اور اپنے اور خدا کے درمیان دروازہ کھول لے۔

اپنے گناہوں کا مقر ہو کر اپنی تقصیر کی اس کے حضور معذرت اور یقین کر کہ کوئی مضرت پہنچانے والا نہیں، کوئی نفع دینے والا نہیں، کوئی عطاء کرنے والا نہیں اور کوئی روکنے والا نہیں مگر وہی اللہ پس اس وقت تیرے قلب کی آنکھوں کا اندھاپن زائل ہو جائے گا اور ظاہری و باطنی بینائی حرکت کرنے لگے گی۔

کھردرے اور موٹے کپڑے پہننے اور روکھا سوکھا کھانا کھانے میں شان نہیں ہے، شان تیرے قلب کے زُہد اختیار کرنے میں ہے، لباس میں سچا شخص سب سے پہلے اپنے باطن پر صوف پہنتا ہے بعد اس کا اثر ظاہر تک پہنچتا ہے، پس اس کا باطن صوف پہنتا ہے پھر اس کا قلب اس کے بعد اس کا نفس اور اس کے بعد اس کے اعضاء یہاں تک کہ وہ سرتاپا کھردرا (کثیف الہیئۃ) بن جاتا ہے تب شفقت، رحمت اور احسان ہاتھ آتا اور اس مصیبت زدہ کی حاجت میں تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ اس کے بدن سے سیاہ کپڑے اتارتا اور خوشی کے کپڑے پہنا دیتا ہے، تکلیف کو راحت سے، ناگواری کو فرحت سے، خوف کو امن سے، بعد کو قرب سے اور فقر کو تونگری سے بدل دیتا ہے۔

طرح طرح کی غذائیں کھا مگر زُہد کے ہاتھ سے، رغبت کے ہاتھ سے، جو شخص کھاتا اور روتا ہے وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو ہنستا ہے، (پس کھانے میں اگرچہ دونوں برابر ہیں مگر دنیا والوں کے کھانے کا انجام رونا ہے اور زاہد کے کھانے کا انجام ہنسنا) انواع و اقسام کھا مگر اس طرح کہ تیرا قلب حق تعالیٰ کے ساتھ ہو، اس طرح تو کھانوں کے شر سے محفوظ رہے گا، اگر تو طبیب کے ہاتھوں سے کھائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تنہا ایسی چیز کھائے جس کی تجھ کو اصلیت معلوم نہیں۔

تمہارے دل کس قدر سخت ہو گئے؟ تم سے امانت کا مضمون جاتا رہا، تمہارے درمیان سے رحمت، شفقت اٹھ گئی، شریعت کے احکام تمہارے پاس امانت تھے جن کو تم نے چھوڑ دیا، جس میں (بدعتیں ایجاد کر کے) تم نے خیانت کی، تجھ پر افسوس اگر تو امانت کی حفاظت ضروری نہیں سمجھے گا تو عنقریب تیری آنکھ میں پانی اُتر آئے گا۔ تیرے ہاتھوں اور پاؤں میں ہتھکڑیاں اور

بیڑیاں ہوں گی، حق تعالیٰ اپنی رحمت کا دروازہ تجھ سے بند کر لے گا، اپنی مخلوق کے دلوں میں تیرے ساتھ سخت دِلی کا برتاؤ ڈال دے گا اور ان کو تجھ پر عطاو بخشش کرنے سے روک دے گا، اپنے سروں کی، اپنے رب عزوجل کے ساتھ حفاظت کرو (کہ اس کے سوا کسی کے سامنے جھکنے نا پائیں)، اس سے ڈرتے رہو کہ اس کی پکڑ سخت دردناک ہے، تم کو پکڑ لے گا، تمہاری جائے امن سے تمہاری عافیت سے، تمہارے متکبر کو اور تمہارے اترانے والے مغرور کو۔ ڈرو اس سے جو معبود ہے آسمان کا اور معبود ہے زمین کا، اس کی نعمتوں کو شکر گزاری کے ساتھ محفوظ رکھو، اس کے حکم اور ممانعت کا سننے اور ماننے کے ساتھ استقبال کرو، تنگ حالی کا مقابلہ کرو صبر سے اور خوشحالی کا شکر سے، یہی حال تھا تم سے پہلے گزر جانے والے نبیوں، پیغمبروں اور نیک بندوں کا کہ شکر کرتے تھے نعمتوں پر اور صبر کرتے تھے مصیبتوں پر۔ کھڑے ہو جاؤ اس کی معصیتوں کے دستر خوان سے اور کھاؤ اس کی اطاعت کے دستر خوان سے، اس کی قائم کی ہوئی حدود کی حفاظت کرو، جب خوشحالی تمہارے شامل حال ہو تو اس کا شکر کرو، اور جب تنگی آئے تو توبہ کرو اپنے گناہوں سے، اور جھگڑا کرو اپنے نفسوں سے (کہ وہی اس کا سبب بنا ہے) کیونکہ اللہ جل شانہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اور یاد کرو مرنے کو اور اس کے بعد آنے والے معاملات کو، اور یاد کرو رب عزوجل کو اور اس کے حساب اور اپنی طرف دیکھتے رہنے کو۔ جاگ اٹھو! کب تک رہے گی یہ نیند، کب تک رہے گی یہ جہالت اور باطل میں متردد رہنا اور نفس و خواہش کی پاس داری، اور "کیوں، کیوں" کی عادت؟ حق تعالیٰ کی عبادت اور اس کی شریعت کی مطابعت سے ادب سیکھو۔ "کیوں، کیوں" کی عادت کا چھوڑنا عبادت ہے ادب پکڑو قرآن اور کلامِ رسالت کے آداب سے۔

اندھے پن، جہالت، غفلت اور شراب لوگوں کے ساتھ میل جول مت رکھ بلکہ بصیرت اور علم و بیداری کے ساتھ ان سے مل جل کہ جب ان کی طرف سے ایسی بات دیکھو جو تجھ کو اچھی معلوم ہو تو اس کی اِتباع کرو اور جب ایسی بات دیکھو جو بری لگے تو اس سے خود بھی بچو اور ان کو بھی روکو۔ تم حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے غفلت میں ہو، اس کے بیدار ہو جانے کو اپنے اوپر لازم سمجھو

اور مسجدوں سے چمٹے رہو اور جناب رسول اللہ ﷺ پر بکثرت درود بھیجنے کو ضروری خیال کرو، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"اگر آسمان سے آگ نازل ہو تو اس سے کوئی نجات نہ پائے گا بجز مسجد والوں کے"۔

جب تم ہل بن جاؤ گے نماز کے بارے میں تو تمہارے تعلقات حق تعالیٰ کے ساتھ منقطع ہو جائیں گے، اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"سب سے زیادہ قرب جو بندے کو اپنے رب سے حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ مسجد میں ہو"۔

افسوس تجھ پر کہ تو کس قدر تاویلیں کرتا اور رخصتیں ڈھونڈتا ہے، تاویل کرنے والا بدعہد و باغی ہے، اے کاش جبکہ ہم اصل عزیمت اختیار کریں اور اجماع امت کے ساتھ وابستہ رہیں اور اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں تب ہی حق تعالیٰ سے نجات پائیں گے، پھر کیا پوچھنا اس حالت کا جبکہ ہم تاویلیں کرنے لگیں اور رخصت ڈھونڈنے لگیں، عزیمت جاتی رہی اور اس کے اہل جاتے رہے، یہ زمانہ رخصتوں کا رہ گیا نہ کہ عزیمتوں کا، یہ زمانہ تو ریا و نفاق کا اور ناحق دوسروں کے اموال لینے کا رہ گیا ہے، کثرت کے ساتھ وہ لوگ ہیں جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جو کچھ بھی نیک کام کرتے ہیں وہ مخلوق کے لئے کرتے ہیں خالق کے لئے نہیں، اس دنیا کا بڑا حصہ مخلوق ہی مخلوق بن گیا بلا خالق کے (کہ کسی عمل میں بھی اکثروں کے اخلاص نہیں) تم سب مردہ دل ہو، زندہ نفس ہو، زندہ خواہش والے ہو اور طالب دنیا ہو، قلب کی زندگی اس میں ہے کہ مخلوق (کے خیال) سے نکل جائے اور حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو معنی کے اعتبار سے (نہ کہ صورت کے اعتبار سے)

کیونکہ یہاں صورت کا اعتبار نہیں، قلب کی زندگی حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے اس کی ممانعت سے باز رہنے اور اس کی ڈالی ہوئی مصیبتوں اور قضا وقدر پر صبر کرنے سے ہے۔

مقدراتِ الٰہیہ میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر پھر اس پر بھروسہ کیونکہ ہر امر کو ضرورت ہے بنیاد کی اور اس کے بعد کی تعمیر کی (پس رضا و تسلیم بمنزلہ بنیاد کے ہے اور حق تعالیٰ

کی یاد پر بقاء بہ منزلہ تعمیر کے) اس پر جملہ اوقات میں مداومت رکھ، رات میں بھی اور دن میں بھی، افسوس ہے تجھ پر، اپنے معاملے میں فکر کر اور فکر کرنا قلب کا کام ہے، پس جب اپنے لئے کوئی خوشحالی دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور جب کوئی بدحالی دیکھو تو اس سے توبہ کرو، اسی فکر سے تیرا دین زندہ بنے گا اور شیطان مردہ اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ ایک ساعت کا تفکر شب بیدار سے بہتر ہے

اے امت محمدیہ! اللہ عزوجل کا شکر کرو کہ اس نے تم سے پہلے جانے والے لوگوں کی بہ نسبت تمہارے تھوڑے عمل پر اِکتفا فرمایا، (دنیا میں وجود کے اعتبار سے) سب کے بعد ہو اور مرتبے کے اعتبار سے) قیامت کے دن اوّل ہو گے، جو شخص تم میں تندرست ہے تو اس جیسا کوئی تندرست نہیں، تم سردار ہو اور تمہارے سوا ساری اُمتیں رعیت ہیں جب تک تو اپنے نفس، اپنی خواہش اور اپنی طبیعت کے گھر میں بیٹھا رہے گا تندرست نہ بنے گا، جب تک تو مخلوق سے جھگڑتا اور اس مال و متاع میں جوان کے پاس ہے رغبت والا اور اپنے ریا، نفاق سے اس کے حصول کا خواہاں رہے گا تو تیرے لئے تندرستی نہیں، جب تک تو دنیا میں رغبت رکھنے والا رہے گا تیرے لئے تندرستی نہیں، اور جب تک تو حق تعالیٰ کے ماسویٰ پر دل سے اعتماد رکھے گا تیرے لئے تندرستی نہیں، اے میرے اللہ! ہم کو اپنے ساتھ (رکھ کر) صحت عطا فرما اور ہم کو دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

انسان کی ناشکری

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

انسان پر خدائے ذوالجلال کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں، اللہ نے انسان کو سب سے مکرم بنایا ہے، اسے بحروبر میں سواریاں عطا کی ہیں، اسے پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے، اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی ہے۔ خوبصورت سانچے اور بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے، اشرف المخلوقات بنایا ہے، اسے اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود بنایا ہے، اسے اس بزمِ عالم کا صدر نشین بنایا ہے، اس کا رتبہ اتنا برتر کیا ہے کہ اس سے اوپر صرف خدا کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن کی زبان میں انسان اللہ کا نائب ہے، یہ پوری دنیا اور پورا کارخانہ عالم اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے، کائنات کی اشیاء کو اس کی خدمت میں لگا دیا گیا ہے، زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کے لئے مسخر کر دی گئی ہیں۔ اللہ نے اپنی ظاہری و باطنی، عیاں و نہاں، کھلی چھپی تمام نعمتیں انسان پر تمام کر دی ہیں، سب اشیاء اس کی تابع و خادم بنائی گئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کی نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتا، اس کی نعمتوں کا بحر بے کراں ہے، اس کا کوئی ساحل و کنارہ ہی نہیں، ہر آن اس کی نعمت و فضل کی بارش انسان پر برستی رہتی ہے۔

اللہ نے انسان کو اپنا کنبہ قرار دیا ہے، انسانیت کا حد درجہ احترام اللہ کی شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے، ان تمام بے پایاں نعمتوں کا شکر اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب انسان اپنے مقصد تخلیق یعنی عبادت و بندگی سے کسی لمحہ غافل نہ ہو، لیکن دوسری طرف اکثر انسانوں کی صورت حال بالکل الٹی ہے، قرآن کی زبان میں:

ترجمہ: ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اسے کفرانِ نعمت

سے بدل ڈالا اور اپنے ساتھ اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا۔ (ابراہیم:۲۸)

ایک طرف اللہ نے ہر طرح کی نعمت دی اور

ترجمہ: ''آسمان وزمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل دیئے، اس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا، سورج اور چاند کو تمھارے لئے مسخر کیا کہ لگا تار چلے جا رہے ہیں۔ رات و دن کو تمھارے لئے مسخر کیا اور تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

فطرت کی ہر مانگ، زندگی کا ہر مطلوب اور بقاء وارتقاء کے تمام وسائل فراہم ومہیا کئے جانے کے باوجود یہ انسان ناشکری اور احسان فراموشی کی آخری حدوں تک پہنچ چکا ہے، انسان کا اپنا وجود ایک عالم اصغر ہے، اس کے تمام اعضاء، جسم کے ہر جوڑ اور ہر رگ و ریشہ میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی لامتناہی نعمتوں کا ایک خزانہ مخفی و پنہاں ہے، لیکن انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہوجاتا تب تک اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا اور ناشکری کرتا جاتا ہے، قرآن نے انسان کو اسی کفرانِ نعمت کی طرف بارہا متوجہ کیا ہے۔

نعمتوں کی ناقدری، کفرانِ نعمت، احسان ناشناسی، معصیت اور بے راہ روی کے نتائج انسان کو مصائب، مشکلات، حادثات اور اذیتوں کی شکلوں میں بھگتنے پڑتے ہیں، قرآن کہتا ہے:

ترجمہ: ''اور دیکھو کہ اللہ نے ایک مثال بیان کی، ایک بستی تھی جہاں ہر طرح کا امن تھا، ہر جگہ سے سامانِ رزق آتا رہتا تھا اور ہر شخص فراغت سے کھاتا رہتا تھا، لیکن پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے بھی ان کے کاموں کی پاداش میں انہیں نعمتوں سے محروم کر دیا، تنعم کی جگہ فاقہ اور امن کی جگہ خوف ان پر چھا گیا۔ (النحل:۱۱۲)

دنیاوی (دنیوی نتائج بد کے سوا اُخروی نتائج کہیں زیادہ بدتر ہوں گے، قرآن کے بقول:

ترجمہ: ان پر آگ کی چھتریاں اوپر سے بھی چھائی ہوں گی اور نیچے سے بھی، یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، تو اے بندو! میرے غضب سے بچو"۔(الزمر 16)

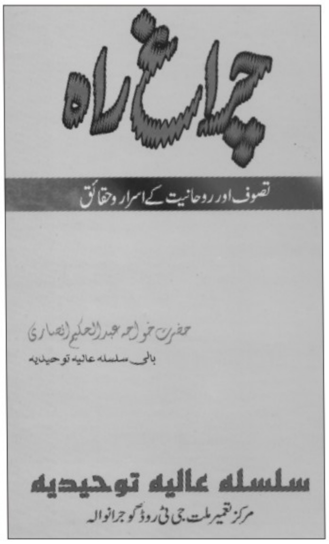
وجودِ انسانی پر یہ خدائی لامتناہی نعمتیں دعوتِ شکر و عمل دیتی ہیں، یہ بندوں کو خدا کا پیغام سناتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اللہ کا کرم اور فیض بالکل عام ہے، اس کی ہدایت سب کو یکساں ہے مگر اکثر افراد اس دعوت اور صدا پر ذرا بھی کان نہیں دھرتے اور ناشکری و بے عملی میں مسلسل مبتلا رہتے ہیں جس کا خمیازہ نعمتوں سے محرومی کی شکل میں بھگتنا پڑتا ہے:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ کوئی رہرو منزل ہی نہیں

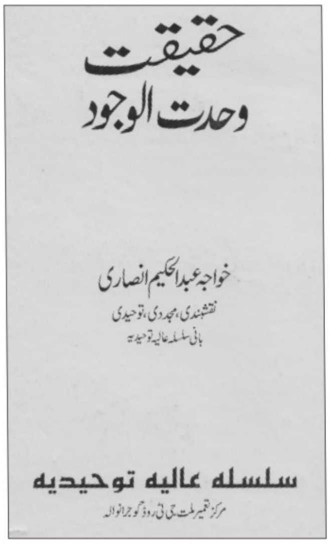
دعائے مغفرت

راولپنڈی سے بھائی لطیف صاحب کے بھانجے
گکھڑ سے عبدالقیوم ہاشمی، محمد یونس ہاشمی کی خالہ
چوک اعظم سے ہماری پیر بہن فوزیہ
بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

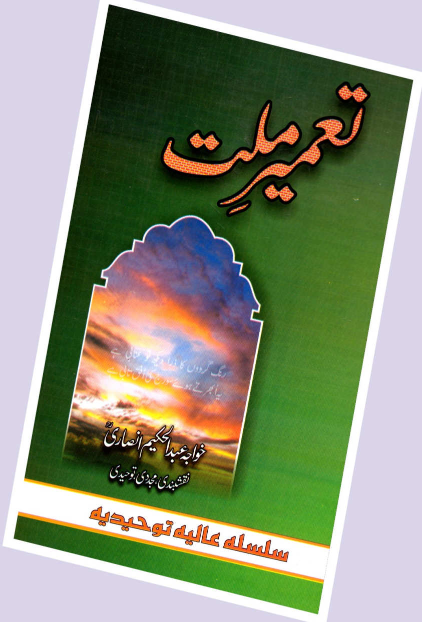


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اورتصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

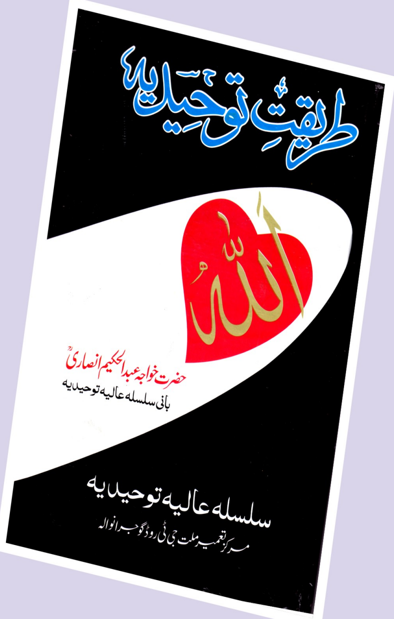


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com